1986 ١٦ جولائی
1406
10

قد افلح من تزکی وذکر اسم ربہ فصلی (القرآن الکریم)

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا

المجاهد من جاهد نفسه (حدیث شریف)

مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے

ماہنامہ

المرشد

چکوال

بیادِ

شیخ العرب والعجم صدیق دوراں مجدد طریقت مجتہد فی التصوف بحر العلوم شریعت

امام اولیاء شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ حضرت العلام قلزم فیوض برکات

اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

دار العرفان منارہ ضلع چکوال

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اداریہ

کیا کھویا کیا پایا

دین فطرت یا دین اسلام نام ہے زندگی بسر کرنے کا وہ طریقہ کہ یہاں رہ کر انسان باعزت، باوقار اور پُرامن صورت میں دن گذارے اور یہاں سے جانے کے بعد انسان کو دائمی راحت اور عیش نصیب ہو۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیئے دین اسلام، انسان کی ہمہ پہلو رہنمائی تربیت اور تکمیل کا نصاب دیتا ہے۔ جس کے چار شعبے ہیں۔ عقائد — عبادات — معاملات اور اخلاق۔ ان کا آپس میں ایسا فطری تعلق ہے جیسے بیج، تنا، پتے، شاخیں، پھول اور پھل میں ہوتا ہے۔ عقائد کی حیثیت، بیج کی ہے۔ بیج اگر اعلیٰ اور عمدہ اور صحیح قسم کا ہو تو اس سے بہترین پھل کی توقع رکھی جا سکتی ہے۔

اسلامی عقائد میں بنیادی عقیدہ توحید ہے۔ اس کی اجمالی اور تفصیلی صورتیں اگر پورے یقین کے ساتھ دل کی گہرائیوں میں پیوست ہو جائیں تو پورا نظام درست ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ یقین پیدا ہونے سے انسان کے قلب کا رشتہ اپنے ربّ سے جڑ جاتا ہے۔ یہ رشتہ قائم اور مضبوط رہے تو انسان واقعی انسان ہے ورنہ محض حیوانِ ناطق۔ باقی تین شعبے اسی رشتے کو قائم رکھنے اور مضبوط کرنے کی مختلف تدبیریں ہیں۔

عبادات کو ہی لیجئے یہ دراصل اس امر کی کوشش ہے کہ اس تعلق کو قائم رکھنے اور بڑھانے میں جو رکاوٹیں ہیں ان کا کوئی حل کیا جائے۔ یہ رکاوٹیں بظاہر اتنی ہیں کہ حدِ شمار میں نہیں آسکتیں مگر حقیقت میں رکاوٹ ایک ہی ہے جو بہروپ بدل کر مختلف صورتوں میں مختلف ناموں کے ساتھ انسانوں کیلئے جاذبیت اور کشش کی ایک دُنیا لیئے اسے راہ سے بے راہ کرنے کا سبب بنتی ہیں۔ اس رکاوٹ کا نام ہے "خواہشِ نفس" اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے غالبؔ نے درست کہا تھا کہ ؎

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارماں لیکن پھر بھی کم نکلے

اس رکاوٹ کی فتنہ سامانیوں کا ذکر کرتے ہوئے خالق انسان نے فرمادیا :—

اَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ — یعنی کیا تو نے اس انسان کی حالت پر غور کیا جس نے خواہش کو اپنا معبود بنالیا ہو۔ اس سے نہ صرف خواہش کی قوت اور تباہی کا نشان ملتا ہے بلکہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خواہش کا پیدا ہونا ذی روح کی فطرت میں داخل ہے۔ مگر اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک ہے خواہش کا بندہ بن جانا، یہ جانوروں، حیوانوں، ڈنگروں ڈھوروں کی خصوصیت ہے کہ جو خواہش پیدا ہو اس کی تکمیل کرنا ضروری ٹھہرا — اس میں صحیح غلط — جائز ناجائز — اپنا پرایا — مفید مضر وغیرہ کے سوچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا — دوسری صورت ہے خواہش میں حکمرانی کرنا۔ یعنی خواہش پیدا ہوئی تو پہلا سوال یہ ہوگا کہ یہ جائز ہے یا ناجائز، اگر جواب ملا کہ ناجائز ہے تو اسکو رد کر دینا، اور اگر جائز ہے تو اس کو پورا کرنے کی جو صورت اور تدابیر اختیار کی جائے اس کے متعلق سوچنا کہ یہ تدبیر صحیح ہے یا غلط۔ اس سوچ کا نتیجہ میں صرف وہی تدبیر اختیار کرنا جو صحیح ہو۔ یہ خصوصیت انسان کی ہے۔ اور اگر انسان ہو کے بھی وہ خواہش کا غلام ہو تو وہ انسان نہیں حیوانِ ناطق ہے۔

اسلام چونکہ مثالی انسان بنانا چاہتا ہے اس لیئے اس نے اس راہ کی تمام رکاوٹوں پر قابو پانے اور جائز فطری خواہشات کو پورا کرنے کا سلیقہ سکھانے کیلئے عبادات کا نصاب مقرر کیا ہے۔ ہر عبادت انسان کے خاص خاص داعیہ کی تسکین کا سلیقہ سکھا کر اسے نقطۂ اعتدال پر قائم رکھنے کی ایک تدبیر ہے۔ مثلاً

سب سے بڑی عبادت پانچ وقت کی نماز ہے۔ یہ تھوڑے تھوڑے وقفے بعد اپنے رب کے دربار میں حاضر ہو کر اس تعلق اور رشتہ کو قائم رکھنے اور استوار کرنے کی تدبیر ہے جو عقیدۂ توحید کی وجہ سے انسان کے دل میں پیدا ہوا تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کو اپنی معاش کیلئے کاروبار کرنا ضروری ہے۔ اس میں انہماک اور یکسوئی چاہیے یہ انہماک اور محویت اگر اس درجہ کی ہو کہ اپنے رب سے تعلق کا تصور ہی نہ رہے تو یہ محویت انسان کو اپنے رب سے دور کر دے گی اور وہ قلبی تعلق کمزور ہوتے ہوتے ختم ہونے کی نوبت آسکتی ہے۔ اس لیئے دن رات میں پانچ مرتبہ اپنے رب کے

گھر حاضری دیتے —— اس سے باتیں کرنے —— درخواستیں کرنے —— اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کا نصاب مقرر کر دیا گیا ہے "تاکہ انسان کی تربیت اس طرح ہو سکے کہ وہ ہر اس مصروفیت کا مشغلہ کو چھوڑ دینے پر آمادہ ہی نہ ہو بلکہ مجبور ہو جائے. جو مصروفیت اس کا تعلق اپنے رب سے توڑ دے یا اسے کمزور کر دے.

اسی طرح آرام کرنا انسان کی طبعی خواہش ہے. پانچ وقت کی حاضری کیا ہے ——؟ یہی کہ سردی ہو یا گرمی —— مینہ ہو یا جھکڑ —— انسان اپنے آرام کو تج دے اور اس تعلق کو قائم رکھنے کیلئے وقفے وقفے کے بعد اپنے رب کے سامنے حاضری دیتا رہے.

اسی طریقہ سے تمام عبادات دراصل خواہشات کی قربانی، ایثار اور خواہشات پر کنٹرول کرنے کا سلیقہ سکھانے کی الہامی تدبیریں ہیں.

رمضان کے روزوں کو دیکھئے. انسان کی بنیادی ضرورت غذا ہے اور انسان کی بقار کیلئے فطری ضرورت جنسی میلان یا وظیفۂ زوجیت ہے. یعنی یہ دونوں خواہشات انسان کی بقار کا ذریعہ ہیں. لیکن ہر چیز کی تین حالتیں ہوتی ہیں افراط، تفریط اور اعتدال —— ان میں قابل تعریف حالت صرف اعتدال کی ہوتی ہیں. اگر کھانے پینے کی خواہش اعتدال سے بڑھ گئی تو انسان کے لیئے مہلک ثابت ہوگی. اور اس ہلاکت کی دو صورتیں ہیں اگر مقدار میں اعتدال نہ رہا تو جسمانی ہلاکت ضروری ہے اور حلال حرام کی تمیز اٹھ گئی تو روح کی ہلاکت اور آخرت کی بربادی ہے.

اسی طرح جنسی میلان کی خواہش حد اعتدال سے بڑھ گئی تو بدکاری میں مبتلا ہو کر حیوانیت کے درجے پر آجائے گا تو انہی دو خواہشوں کو اعتدال پر رکھنے کے لیئے یہ تدبیر مقرر فرمائی گئی ہے. چنانچہ صیام رمضان کی مدت سمجھیے یا نتیجہ فرمایا لعلکم تتقون —— یعنی روزے تمہارے لیئے اس وجہ سے فرض کیے گئے کہ تمہارے اندر تقوی پیدا ہو جائے. تقوی کیا ہے ——؟ تقوی کے معنی ہیں بچنا —— پرہیز کرنا، مگر کس سے بچنا —— ؟ ناجائز کام سے بچنا، مضر چیز سے بچنا —— اللہ کی نافرمانی سے بچنا —— اللہ کے غضب سے بچنا، غرض ہر اس چیز سے بچنا جو شرف انسانیت کے منافی ہو، گویا یوں کہہ سکتے ہیں کہ تقوی کے معنی ہیں احتیاط سے جینا —— محتاط زندگی بسر کرنا —— احتیاط کس قسم کی —— ؟ ہر وہ خواہش جو دل میں پیدا ہو اس کے متعلق سوچنا کہ اس کے پورا کرنے سے اللہ راضی ہوگا یا ناراض —— اللہ کو یہ پسند ہے یا ناپسند اگر جواب ملے اللہ راضی ہوگا تو وہ خواہش پوری کر لینا ورنہ بچ جانا اور رک جانا، اس کو احتیاط کہتے ہیں.

یہاں ایک سوال قدرتی طور پر ابھرتا ہے کہ جو کام جس غرض سے کیا جائے اگر ساری محنت کے باوجود وہ غرض پوری نہ ہو تو کیا کہیں گے —— ؟ یہی نا! کہ محنت رائگاں گئی —— وقت ضائع ہوا، بس پورا مہینہ روزے رکھنے کے بعد اگر یہ احتیاط، یہ تقویٰ اور یہ بچنے کی عادت پیدا نہیں ہوگی تو کیا کہیں گے —— ؟ کہنے کی ہمت نہیں۔

مگر افسوس کتنی بڑی بدنصیبی ہے، کس درجے کی غفلت ہے، کس قدر بے اعتنائی ہے کہ زندگی میں کئی رمضان گذار دیئے —— روزے رکھتے رہے مگر یہ نہ سوچا کہ جس غرض کیلئے یہ مشقت کی تھی کیا وہ پوری ہوئی —— ؟ اگر خدانخواستہ نہیں ہوئی تو وجہ کیا ہے —— ؟ وجہ ظاہر ہے کہ ہم نے دن بھر بھوکا پیاسا رہنے کو روزہ رکھ لینا سمجھ لیا مگر یہ نہ سوچا بلکہ یہ نہ سُنا کہ روزے کی حقیقت کیا ہے، حالانکہ محسنِ کائنات اعلان کر رہا ہے "جس نے روزہ رکھ کر جھوٹ بولنا ترک نہ کیا اللہ کو کیا حاجت ہے کہ اسے بھوکا پیاسا رکھے" یعنی روزے کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی خواہشات پر قابو پانا سیکھو تاکہ قلب کا تعلق اپنے رب سے جڑا رہے اور بڑھتا رہے اور یہ تعلق جب بڑھتا ہے تو محبت بن جاتا ہے اور یہی مطلوب و مقصودِ مومن ہے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا

ایمان تو قلب کا فعل ہے مگر اس کی نشانی یہ ہے کہ ایماندار کے دل میں سب سے زیادہ اللہ کی محبت ہوتی ہے اور محبت کی دلیل کیا ہے —— ؟ کیونکہ یہاں محبانِ رسولؐ اور محبانِ اہلِ بیت کی کمی نہیں، شمار میں نہیں آسکتے تو محبت کی دلیل اس محبوب سے پوچھئے جس نے محبت سے آشنا کیا۔

جزاک اللہ کہ چشم باز کردی
مرا با جانِ جاں ہمراز کردی

تو وہ ہے مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ یعنی جو شخص زندگی بسر کرنے کا ڈھنگ صرف مجھ سے سیکھتا ہے اور انہی کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے وہ محبت کے دعویٰ میں سچا ہے ورنہ وہ محبت کی صرف ایکٹنگ کر رہا ہے۔

اللّٰھم ارزقنا حبک وحب حبیبک

مدیر

باتیں اُن کی خوشبو خوشبو

استاذی المکرم حضرت مولانا اللہ یار خان صاحب نور اللہ مرقدہٗ

فرمایا ـــــ اولیاء کی صحبت اللہ تعالیٰ کی محبت کا ایک مجرب ذریعہ ہے۔ اولیاؑ اللہ سے دشمنی خدا سے دشمنی ہے۔ حضرت تھانویؒ نے ایک روز فرمایا تھا" اولیاؑ اللہ سے دشمنی کفر تو نہیں مگر توہین کرنے والے مرتے کفر پر ہیں۔

فرمایا ـــــ فرائض راس المال ہیں۔ ترقی ہمیشہ نوافل سے ہوتی ہے مگر جن کے فرائض پورے نہیں ان کے نوافل کا کوئی اعتبار نہیں۔

فرمایا ـــــ لسانی ذکر کے لئے کسی شیخ کی ضرورت نہیں۔ اس کی زبان تو گنگ نہیں خود پڑھ سکتا ہے۔ شیخ کی ضرورت ہوتی ہے ماوری الوری معاملات شروع ہونے سے۔ سلوک کا تعلق آسمانوں سے اوپر ہے۔ عرش معلی کے ساتھ ہے۔

فرمایا ـــــ کشف مقصودی چیز نہیں ہے اور نہ ہم اس کو مقصودی چیز سمجھتے ہیں۔ یہ اللہ کا انعام ہے جس پر ہو جائے۔

فرمایا ـــــ اتباعِ شریعت کے بغیر کوئی چیز نہیں۔ جتنے مناصب ہیں مجبار، نقباء ہوں، اوتاد ہوں، ابدال ہوں، فردِ ہوں، قطب وحدت ہو، صدیق ہو یہ میرے آقا کی جوتیوں کی خاک سے ملتے ہیں۔ اتباع سے ملتے ہیں۔ بغیر اتباع حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کوئی چیز نہیں ملتی۔

فرمایا ـــــ ذکرِ الٰہی کی کثرت اور اولیاء اللہ کی صحبت سے انسان کے دل میں اللہ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ کبھی بدبخت ہو کے نہیں مرتا۔

فرمایا ـــــ قلب سلیم ہونے کیلئے دو شرائط ہیں۔ اوّل صحت از امراض

قرآن کریم نے قلب کے امراض کفر، شرک، شک اور خواہشات نفسانی کے اتباع کو قرار دیا ہے ان امراض سے صحت حاصل کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ کسی معالج روحانی سے علاج کرایا جائے

دوسری شرط یہ ہے کہ قلب کو غذائے صالح بہم پہنچائی جائے. جس طرح غذائے صالح سے جسم انسان صحت مند اور قوی ہو جاتا ہے. اسی طرح قلب کی صحت اور طاقت کیلئے بھی غذائے صالح درکار ہے. مگر قلب کی غذا جسم کی غذا سے مختلف ہے. قلب کیلئے غذا کے صالح کی نشاندہی یوں کی گئی ہے

قال اللہ تعالیٰ:

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

سنو ذکر الٰہی سے ہی قلوب کو مطمئن ہوتے ہیں

- فرمایا —— علاجِ قلب اور غذائے قلب عارفین کاملین کے بغیر کسی سے نہیں ملتی۔
- فرمایا —— صرف کتب و رسائل تصوف سے تزکیۂ باطن نہیں ہو سکتا. اس دولت کا ملنا شیخ کامل کی صحبت اور القار و انعکاس کے بغیر محال ہے.
- فرمایا —— کمال خواہ کسی قسم کا اور درجے کا ہو ظاہر ہو کر ہی رہتا ہے۔

ے

نیکو روی تاب مستوری ندارد

چو بندی در ز روزن سر برآرد

اگر اظہار نہ ہو تو حق و باطل میں تمیز کیسے ہو۔ حقیقی صوفیاء اور بے معنی مدعیانِ تصوف میں فرق کیونکر ظاہر ہو۔

اسرار التنزیل

ذکر کی اہمیت و ضرورت شیخ

حضرت شیخ المکرم مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہٗ العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

فاذکرونی اذکرکم واشکرولی ولا تکفرون

میں یہ چاہتا ہوں کہ ضرورت ذکر اور طریقۂ ذکر اگرچہ ہم بار بار دہراتے رہتے ہیں لیکن ایک بار پھر اسے دہرا دوں۔ یہ اس لئے کہ میں نے یہ محسوس کیا ہے اگرچہ یہ ہمارا مقصدِ حیات ہے اور مشن ہے اس کے باوجود بعض احباب کا رویہ معذرت خواہانہ ہوتا ہے۔ اور یہ اصولی بات ہے کہ جو کام بھی آپ معذرت خوانہ رویہ سے کریں گے اس میں جان نہیں پیدا ہوتی۔ دوسرا اس سے متاثر نہیں ہوتا بلکہ وہ کسی حد تک آپکو ایک طرح کا قابلِ معافی مجرم سمجھتا ہے کہ چلو درگزر کرو یہ ویسے کر تو اچھا نہیں رہا۔ خیر ہے برداشت کرلو۔ یہ رویہ سارے دینی امور کے لئے دین کی سربلندی اور عظمت کیلئے نہایت ہی مضر ہے

ایک الجھن

بھائی سب سے پہلی اور عجیب بات یہ ہے کہ اس موضوع پر سارے اعتراضات مسلمانوں کی طرف سے وارد ہوتے ہیں۔ جو شخص دائرہ اسلام میں داخل ہی نہیں اس کی جنگ یا اُس کی لڑائی تو اسلام

کے اثبات، اسلام کے حق ہونے یا نہ ہونے کے ساتھ رہتی ہے لیکن وہ حضرات جن پر اللہ کا احسان ہے جنہیں اللہ نے ایمان اور اسلام کی نعمت عطا کی ہے وہ ایسی اُلجھنوں میں اور پیچیدگیوں میں پھنسے ہوئے ہیں کہ ان کا بہت بڑا سوال ہوتا ہے کہ رد اللہ کریم نے دین کے ارکان ارشاد فرمائیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تفصیل بیان فرما دی۔ نماز ہے حج ہے روزہ ہے زکوٰۃ ہے۔ اب جو شخص نماز بھی پڑھ لیتا ہے۔ تلاوت بھی کرتا ہے اپنی توفیق کے مطابق تسبیحات بھی پڑھتا ہے روزے بھی رکھتا ہے زکوٰۃ بھی دیتا ہے۔ تبلیغ بھی کرتا ہے دین کو دوسروں تک پہنچاتا بھی ہے آپ حضرات کا مطالبہ یہ ہے کہ پھر اللہ کا ذکر بھی کرے۔ وہ ذکر بھی کسی خاص آدمی کے ساتھ مل کر کرے اور کسی خاص آدمی سے توجہ لے۔ یہ دو علیحدہ علیحدہ سوال بنتے ہیں اور بڑے وزنی سوال ہیں۔ سب سے پہلا تو یہ ہے کہ اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی پھر وہ مزید ذکر کیوں کرے۔ کیا یہ سب کچھ ذکر نہیں ہے ؟ اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر ذکر کرنا ہی ہے تو اُس کے لئے کسی خاص آدمی کی طرف متوجہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔

الجھن کا حل

اس ضمن میں پہلی گذارش تو یہ ہے کہ رب کریم نے جب ارکان دین متعین فرمائے ہیں تو تمام ارکان دین کے اوقات، ان کی تعداد اور ان کا طریقہ بھی متعین فرما دیا ہے۔ مثلاً نماز ہے تو نماز کے اوقات، اُس کی رکعتوں کی تعداد، اُس کے پڑھنے کا طریقہ، اُس کے وضو کا طریقہ، یہ سارا اس طرح سے بیان ہُوا ہے کہ کہیں سے بھی آپ اُس طریقے کو چھوڑ دیں تو نماز ادا نہیں ہوتی۔ اسی طرح روزہ ہے تو اُس کے لیئے اوقات متعین ہیں۔ رمضان المبارک کا مہینہ متعین ہے، اس کے حدود صبح اور شام کے اوقات متعین ہیں۔ پھر اس میں کیا کچھ کرنا ہے کب کھانا ہے، کس چیز سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ کس سے مکروہ ہو گا یہ سارا کچھ مقرر ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کا اپنا نصاب ہے اور حج کے اپنے مناسک ہیں جو زندگی میں ایک بار فرض ہے۔ لیکن قرآن حکیم نے اللہ کے ساتھ ربط رکھنے کا جو قاعدہ ارشاد فرمایا ہے وہ ذکرِ الٰہی ہے۔ نماز ہو، حج ہو، روزہ ہو یا زکوٰۃ ہو یہ سب اُس وقت تک قائم ہوتے ہیں جب فرد کا رابطہ اللہ کریم سے قائم ہو جائے۔ اللہ سے رابطے کے لیئے ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے ذکرِ الٰہی۔ " فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ " تم میرا ذکر کرو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔" یہ نہیں کہا تم میری نماز پڑھو میں تمہاری نماز پڑھوں گا

تم میرے لئے روزے رکھو میں تمہارے لئے روزے رکھوں گا لیکن یہ ضرور فرمایا کہ تم میرا ذکر کرو، تم مجھے یاد کرو، تمہاری یاد نیاز مندی کے لئے ہوگی۔ میں تمہیں یاد کروں گا تو میری یاد عطا کے لئے ہوگی۔ تمہارا یاد کرنا لینے کے لئے ہوگا میرا یاد کرنا دینے کے لئے ہوگا۔

یہ وہ رابطہ ہے جو انسان اور اُس کے خالق حقیقی کے درمیان ہوگا۔ جب یہ تعلق قائم ہو جائے گا تو اب اُس کا سجدہ اپنی ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہوگا۔ کیونکہ اُس کا دل اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا اور اُسے یہ حضوری تب حاصل ہوگی جب اللہ کریم اُسے یاد فرمائیں گے۔ انسانی استعداد سے بالاتر ہے کہ وہ اللہ کریم سے ساتھ اپنے آپکو اس طرح سے جوڑے کہ کبھی اس پر غفلت نہ آئے۔ یہ ممکن نہیں ہے۔ یہ دوام ذکر اللہ جل شانہٗ کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔

ورد جو کسی نے کہا ہے نا ۔

میں تو تیرے خیال کو سو بار چھوڑ دوں
لیکن تیرا خیال نہیں چھوڑتا مجھے

اگر انسان پہ مدار ہو تو انسان ناقص ہے اور اپنی فطری کمزوری اور نقص کی وجہ سے دن میں ہزار بار اس رشتے کو توڑ بیٹھے۔ لیکن جب اللہ کی طرف سے یاد ہوتی ہے جیسے ارشاد ہے "اذکر" تو پھر انقطاع نہیں آتا۔ اس میں کمزوری نہیں آتی غفلت نہیں آتی۔ چونکہ یہ سارے اوصاف اُسی کی ذات کے لئے ہیں اسی لئے رب کریم نے تمام ارکانِ دین کے اوقات اور تعداد متعین فرمائی لیکن جب ذکر کی بات آئی تو فرمایا: "واذکر اللّٰہ ذکراً کثیرا" اور رب کریم نے قرآن حکیم میں ایک بار نہیں متعدد بار اس ارشاد کو دہرایا ہے کیونکہ یہ انتہائی ضروری ہے۔

"ہی" اور "بھی" کا فرق

دوسری وضاحت اس ضمن میں یہ ہے کہ نماز بھی ذکر ہے روزہ بھی ذکر ہے حج بھی ذکر ہے تسبیحات و تلاوت بھی ذکر ہے۔ تبلیغ بھی ذکر ہے۔ یہ سب کچھ ذکر ہے لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ صرف نماز ہی ذکر ہے اس کے علاوہ ذکر کی ضرورت نہیں یا تلاوت ہی ذکر ہے یا حج ہی ذکر ہے یہ درست نہیں۔ حج بھی ذکر ہے لیکن صرف حج ہی ذکر نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بھی ذکر ضروری ہے۔ اس کا اندازہ آپ اس طرح لگائیں کہ عبادات کا ایک قاعدہ ہے کہ جتنی کسی کو بلندی منازل حاصل ہو گی اتنا اس کا کوئی رکن ادا کرنا اس کے نیچے والوں کے ہزاروں بار ادا کرنے سے بڑھ کر درجہ رکھتا ہے۔

جس طرح حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میرے صحابی کا ایک صاع جو خرچ کر دینا بعد کے آنے والوں کے "احد کے برابر سونا" خرچ کرنے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ یہ اس لئے کہ وہ قرب الٰہی کی اُن منازل میں ہیں جہاں خشوع و خضوع اور خلوص کی وہ کیفیت نصیب ہوتی ہے جو نیچے والا پہاڑ برابر سونا خرچ کرے تو بھی اُسے نصیب نہیں ہوتی۔

ذکرِ الٰہی کا مقام

جس طرح مرکز کے قریب کوئی نقطہ ہو تو اُس کی تھوڑی سی حرکت بھی ایک چکر پُورا کر لیتی ہے اور دائرے کے مرکز سے دُور جو نقطہ ہوگا اُس کا کافی لمبا سفر ایک چکر کو پُورا کرے گا۔

قرب و منازل جو مخلوق کو نصیب ہو سکتے ہیں سب کے اعلیٰ اور انتہائی منازل آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہیں۔ اس قرب کے ساتھ جو مجاہدہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اُس کی نظیر انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تاریخ میں بھی نہیں ملتی۔ خود ارشادِ نبوی ہے کہ کسی نبی نے اتنے دُکھ نہیں اُٹھائے کسی نبی کو اتنا مجاہدہ نہیں کرنا پڑا اور کسی نبی پہ اتنی تکالیف وارد نہیں ہوئیں جتنی مجھے برداشت کرنا پڑیں۔ ساری دُنیا سر بسجود ہے ملائکہ سے لیکر انسانوں تک۔ لیکن جو سجدہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے وہ اُن کا اپنا ہی ہے اُس کی نظیر ممکن نہیں ہے۔ پھر وہ سجدے جو اعلانِ نبوت کے ساتھ مکہ مکرمہ میں حضورؐ نے ادا فرمائے کسی شخص نے اتنا مشکل ترین سجدہ روئے زمین پر نہیں کیا ہوگا۔ یہ تو اُنہی کو خبر ہے جنہیں اللہ کریم نے اس دور میں آپؐ کی غلامی اور آپؐ کے دامن کے ساتھ وابستہ فرمایا اور جنہوں نے وہ سجدے دیکھے جب بیت اللہ شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سجدہ کرنا اتنا مشکل تھا کہ گویا موت کو دعوت دینا ہے۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم تبلیغ کرتے ہیں اور تبلیغ کیا ذکر الٰہی نہیں ہے۔ تبلیغ تو بہت بڑا رُکن ہے دین کا۔ پھر آپ ہمیں بٹھا کر یہ اللہ اللہ پر کیوں لگاتے ہیں۔ ذرا غور کریں دُنیا میں ایک شخص گذرا ہے جس کا تکبر اور جس کا کفر مثالی ہے۔ قرآن کریم نے اُس کے کفر اور اُس کے جور و استبداد کی مثالیں دی ہیں۔ وہ ہے فرعون۔ دیکھیں اس کو کس طرح تبلیغ کی گئی۔

فراعنہ مصر اپنے آپکو خدا کہلواتے تھے اور اپنے سامنے لوگوں سے سجدے کرواتے تھے، بہت متکبر، جابر اور ظالم تھے۔ ان کی بہت

مضبوط حکومت تھی۔ اتنے جابر تھے کہ حکم دے دیا کہ اس آبادی میں جو بچہ پیدا ہو قتل کر دیا جائے تو کوئی شخص فریاد لانے کی جرأت نہیں رکھتا تھا۔ خداوند کریم نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ہارون علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تبلیغ کے لیے بھیجا۔ اس کے پاس بیک وقت دو نبی بھیجے۔ انہیں فرمایا جاکر فرعون سے کہیں تو ہدایت پر آجائے اور اللہ کی ناراضگی سے ڈرنے لگ جائے۔ تیرا بھی رب کریم سے اتنا ربط ہوجائے کہ تو اسے ناراض کرنا برداشت نہ کرسکے۔ لیکن کہاں فرعون اور اس کی فرعونیت اور کہاں یہ مقام اور اس کی کیفیات۔

یاد رکھیں نبی جو کچھ ہوتا ہے اس کا وجود اس کا گوشت پوست اس کا بال بال ذاکر ہوتا ہے حتیٰ کہ جو لباس، جو جوتا پہنتا ہے جس چیز سے مس کرتا ہے ہر چیز میں ذکرِ الٰہی پھیلتا چلا جاتا ہے۔ اس لیے اللہ کا کوئی بھی نبی جو اس کے جوتے کی توہین کرے وہ بھی کفر ہے۔ لباس کی توہین کفر ہے یعنی جس چیز کو پیامبر سے نسبت ہوجائے اس کی توہین کفر ہے۔

نبی پر کبھی ذکرِ الٰہی سے انقطاع وارد نہیں ہوتا۔ یہ ضرور ہوسکتا ہے کہ کوئی آدمی دو کام کر رہا ہو تو ایک کی طرف اس کی توجہ زیادہ ہوجائے اور دوسرے کی طرف کم۔ مثلاً ایک ڈرائیور جب اسے اتنی مشق ہوجاتی ہے کہ وہ آپ سے باتیں بھی کرتا جارہا ہے اور اس کی آنکھیں سامنے دیکھ رہی ہیں، ہاتھ مڑ رہے ہیں۔ پاؤں کی طرف وہ نہیں دیکھتا، لیکن اس کے پاؤں خود بخود ترتیب سے کام کرتے ہیں اور غیر شعوری طور پہ چلتے رہتے ہیں جبکہ وہ آپ سے باتیں کر رہا ہوتا ہے یعنی آپکی طرف تو وہ متوجہ ہے اور پیروں کی طرف اس کی توجہ کم ہے۔ وہ غیر شعوری طور پہ چل رہے ہوتے ہیں۔

جب اللہ کریم نے فرمایا اپنے دونوں نبیوں کو کہ فرعون کے پاس جاؤ۔ اس سے بات کرو، میں تمہارا محافظ بھی ہوں اور تمہاری بات بھی سن رہا ہوں۔ یعنی

انی معکما اسمع واریٰ

"میں دیکھ رہا ہوں میں سن رہا ہوں" لیکن ایک بات یاد رکھنا ولا تنیا فی ذکری فرعون کا رعب و دبدبہ، فرعون کا خوف یا شان و شوکت کوئی بھی چیز میرے ذکر کی طرف تمہاری توجہ کم نہ کردے اور فرعون کی طرف تمہاری توجہ زیادہ نہ کردے۔ یعنی بات فرعون سے کریں۔ بڑے پیار سے کریں، بڑی جرأت سے کریں، بغیر کسی خوف و خطر کے کریں۔ میں خود تمہارے

تمہارے ساتھ ہوں۔ میں تمہاری بات سن رہا ہوں جو سوال تم پہ کرے گا اُس کا جواب دینا میرے ذمہ ہے۔ میں تمہیں پڑھاؤں گا۔ لیکن...

تبلیغ کی روح ذکرِ الٰہی ہے

ولا تنیا فی ذکری۔ تنیا کا معنی جو بنتا ہے وہ توجہ میں کمی بنتا ہے یعنی کام تو آدمی کر رہا ہو لیکن وہ غیر شعوری یا لاشعوری طور پہ ہو رہا ہو۔ اس کی طرف توجہ کم ہو اور دوسری کی طرف زیادہ ہو۔ فرمایا توجہ تمام جو ہے وہ میرے ذکر کی طرف ہو اور دوسرے درجہ کی توجہ فرعون کی طرف ہو۔

تو کیا اس سے بڑی تبلیغ کوئی ہو گی جو موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو جا کر دعوتِ حق دی تھی۔ اللہ کا نبی بھی ہو رسول بھی ہو اور فرعون کو اللہ کا پیغام پہنچا رہا ہو تو اُسے تو حکم ہے کہ فرعون کی طرف توجہ دوسرے درجہ میں ہو اور پوری توجہ میرے ذکر کی طرف ہو۔ حیثیت کیا ہو گی اگر ہم صرف تبلیغ پر ہی اکتفا کریں۔ اور ذکرِ الٰہی کو ضروری نہ سمجھیں تو ہماری تبلیغ کی حیثیت کیا ہو گی۔

میدانِ جنگ و ذکرِ الٰہی

عبادات میں نماز کا، حج کا، روزے کا تمام کا بہت بڑا مقام ہے۔ لیکن جب دین کو اور دینداروں کو طاغوتی طاقتوں کی طرف سے خطرہ پڑتا ہے، مقابلے کے لیئے جانا پڑتا ہے تو جہاد بھی فرض عین ہو جاتا ہے اور یہ فرض ایسا ہے کہ جہاں تک ایک صف یا ایک علاقے کے لوگ کھڑے ہیں اور ان سے وہ خطرہ نہیں رک رہا تو باقی دوسروں پہ بھی جہاد اس طرح فرض ہوتا چلا چلا جاتا ہے کہ آگے ان کے ساتھ شامل ہوتے چلے جائیں حتیٰ کہ "حتّٰی لا تکون فتنۃ" کہ کوئی فساد باقی نہ رہے" کفر کی شان و شوکت ٹوٹ جائے۔ اس وقت تک جہاد سب پر فرض عین ہوتا ہے۔ مجاہد جب میدانِ جنگ میں اللہ کے لیئے کھڑا ہوتا ہے تو ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ:

> اللہ کے نزدیک وہ خون کا قطرہ جو
> میدانِ جہاد میں کسی کے جسم سے
> زمین پر گرتا ہے۔ تمام کائنات سے
> محبوب ہوتا ہے۔ اس کی بہت
> بڑی عظمت ہوتی ہے۔

جب ایک شخص نے گھر بار چھوڑا، بیوی بچے چھوڑے مال جائیداد چھوڑا جان لے کر اللہ جل شانہ کے لیئے میدان میں سر بکف کھڑا ہو گیا کہ خدایا میں جان دے دوں گا تیرے دین کی احیاء کے لیئے اور

تیرے کلمے کی سربلندی کے لیئے۔

اللہ ہمیں اسے بھی حکم دیتا ہے۔ یاایّھا الذین امنوا اذا لقیتم فئۃ جب مقابلہ آجائے فاثبتوا پھر جم کر لڑو۔ زندگی اور موت میرے اختیار میں ہے جم کر لڑو۔ واذکروا اللہ کثیرا، یعنی تلوار چل رہی ہو گردنیں کٹ رہی ہوں، لاشے تڑپ رہے ہوں لیکن ذکر میں کمی نہ آئے۔ واذکروا اللہ کثیرا، عین میدانِ جنگ میں بھی ذکر الٰہی جاری ہو۔

اتنی اہمیت اور اتنی ضرورت ہے ذکرِ الٰہی کی کہ تبلیغ ہو، عبادت ہو، جہاد ہو، کوئی بھی کام ہو رہا ہو اس میں ذکر کو تقدیم حاصل ہے اور زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

آپ اس سے اوپر چلے جائیں۔ تبلیغ تو موسیٰ علیہ السلام نے بھی کی دوسرے انبیاء نے بھی کی، نوح علیہ السلام نے بھی ساڑھے نوسو برس مسلسل مجاہدہ کیا۔ مسلسل محنت کی، لیکن ساری کائنات کی تبلیغ ایک طرف اور آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ ایک طرف کہ نوح علیہ السلام نے ساڑھے نوسو برس ایک قوم کے ساتھ لگائے اور آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے روز ہی پوری دنیا کو تبلیغ کی۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کا وقت محدود تھا اور ان کے افراد محدود تھے۔ لیکن جو تبلیغ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد ہوئی اس کا وقت محدود نہیں ہے۔ ابدالاباد کے لیئے ہے اور ساری دنیا پر بسنے والوں کے لیئے ہے۔ اس کی مشکلات دیکھیں کہ اللہ کا ایک بندہ پوری روئے زمین کے کفر کو دعوتِ حق دے رہا ہے۔ حضورؐ کا دنوں کو سفر کرنا، راتوں کو پیدل چلنا اور کافروں کے پاس جانا۔ ہم تو مسلمانوں سے دین کی بات کرتے ہوئے گھبراتے ہیں اور حضورؐ بڑے بڑے کفار اور مشرکین کے پاس تشریف لے جاتے تھے جہاں جان کا بھی خطرہ ہوتا تھا اور ہر طرح کی اذیت پہنچنے کا احتمال بھی ہوتا تھا۔ پھر ساتھ کوئی فوج نہیں اکثر و بیشتر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تن تنہا تشریف لے جاتے تھے ساتھ کوئی خادم نہیں کوئی دوست نہیں۔ سوائے اللہ کے، کوئی بچانے والا نہیں ہوتا تھا۔

اس راستے میں تکلیفیں آئیں، مصیبتیں جھیلیں زخم اٹھائے، آوازے بھی کسے گئے حتیٰ کہ خود رب کریم نے ارشاد فرمایا:۔

وما انزلنا علیک القران لتشقیٰ

یعنی اتنا مجاہدہ کیا حضورؐ نے کہ رب کریم نے فرمایا، قرآن کے نازل کرنے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ آپؐ اپنے آپکو مصیبت ہی ڈال لیں۔ ارشاد ہے

ان لک فی النھار سبحا طویلا

کہ ہر طلوع ہونے والا سورج میرے محبوب تیرے لیئے نیا مجاہدہ، نئی محنت لے آتا ہے۔ سجدے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مثالی روزے محمد رسول اللہ کے مثالی، صدقہ وخیرات آپؐ کا مثالی کہ جس نے ساری زندگی کوئی دولت اپنے پاس نہیں رکھی، تبلیغ آپؐ کی مثالی جس نے اسلام کی بنیاد لوگوں کو سکھائی اور تعوذ کرنے سے لے کر سلطنت چلانے تک کے تمام طریقے سکھائے ہیں لوگوں کو پورا دین صرف حضورؐ کی تبلیغ سے عالم انسانیت تک پہنچا اور بلندئ منصب اور بلندئ مقامات یہ ہے کہ کوئی دوسرا مخلوق میں آپؐ کا ثانی نہیں۔

اس عالی مقام پر کھڑے ہوئے اپنے محبوب کو رب کریم ارشاد فرماتا ہے " واذکر اسم ربك " کہ یہ سارے کام کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے پروردگار کے ذاتی نام کی تکرار کیا کر۔ اے میرے حبیب اللہ اللہ اللہ ھو اللہ کیا کر اور اتنی کیا کر " وتبتل الیہ تبتیلا " اتنی کثرت سے ذکر کر کہ صرف اللہ رہ جائے ساری کائنات تیرے سامنے محو ہو جائے۔

آپ اندازہ فرمائیے کہ کیا ہماری کوئی عبادت ہمیں ذکر سے مستثنیٰ قرار دیتی ہے؟ کوئی مسلمان مرد ہو یا عورت جو مکلف ہے شرعی احکام کا وہ ذکر سے مستثنیٰ نہیں ہے یہ اور بات ہے کہ لوگ اس کی اہمیت سے آشنا نہیں رہے۔

استثنیٰ کسی کے لیئے نہیں ہے

اب آپ دوسری طرف آیئے اور دیکھئے، اگرچہ ہم کہتے ہیں کہ لوگ نماز نہیں پڑھتے لیکن نمازیوں کی بھی کمی نظر نہیں آتی۔ آپ دیکھیں اذان پر کسی مسجد میں شہر میں چلے جائیں تو مساجد میں بھی جگہ نہیں ملتی۔ لوگ زکوٰۃ اگر نہیں دیتے تو دینے والوں کی بھی کمی نہیں ہے، دینے والے اتنے ہیں کہ ہر سال اربوں روپے زکوٰۃ میں جمع ہوتے ہیں۔ حج اگر لوگ کم کرتے ہیں تو کرنے والے بھی اتنی کثرت سے ہیں کہ آپ جب بھی دوران سال وہاں جا کر دیکھیں تو ہجوم ہوتا ہے مخلوق کا اور دوران حج تو انسانوں کا ایک سمندر رہتا ہے ایسے ہی لوگ اگر روزہ نہیں رکھتے تو رکھنے والے بھی بہت ہیں، انتہائی گرم دنوں میں بھی محنت اور مشقت سے روزی کمانے والے روزے دار لوگ میں نے خود دیکھے ہیں جو چرواہے ہیں جنگل میں پھرتے ہیں، مویشیوں کی زبانیں لٹک جاتی ہیں دھوپ اور گرمی سے وہ انہیں تالابوں اور جوہڑوں پر پانی پلا رہے ہوتے ہیں اور خود روزے سے ہوتے ہیں۔ لیکن جب بات ذکر الٰہی کی آتی ہے تو ہم یہ نہیں

کہہ سکتے کہ ہر جگہ لوگ ذکر بھی کرتے ہیں۔ یعنی جہاں بے نمازی ہیں نمازی بھی ہیں۔ ہر جگہ جہاں لوگ روزہ نہیں رکھتے تو رکھنے والے بھی موجود ہیں۔ یہ ایسی بدنصیبی ہے کہ جو بنیاد تھی ارکانِ دین کی جس پر مدار تھا سب کا اور جس کے طفیل توفیق نصیب ہوتی تھی۔ تمام اعمال کے کرنے کی خود اسی کام میں اتنی غفلت آگئی اور وہ اس قوم سے اس طرح چھوٹ گیا کہ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہر شہر میں لوگ ذکر کرتے ہیں ہر چند کہ ضرورت ذکر ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے ویسے ہی اہم ہے کسی کے لئے اس میں کوئی رعایت نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ لوگوں کے سمجھنے میں اور احساس میں کمی ہو۔

ذکر الٰہی کا سلیقہ

اب رہ گیا اس کا دوسرا پہلو" کسی خاص آدمی کے پاس جا کر ذکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جب ذکر ہی کرنا ہے اَللّٰہ اَللّٰہ کرنی ہے تو جہاں چاہے کر لو۔

ذکر کی اصل یہ ہے کہ یہ برکات نبوت میں سے ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت عالی میں جو پہنچا وہ صحابی بن گیا۔ صحابیت وہ اعلیٰ مقام ہے جو نبوت کے بعد مخلوق میں سے کسی کو نصیب ہو سکتا ہے اور صحابی ہر طرح سے مثالی مسلمان ہوتا ہے، امانت دیانت خشوع خضوع قرب الٰہی اور خلوص ان تمام معاملات میں حتیٰ کہ کوئی صحابی اگر تعلیم یافتہ نہیں ہے لیکن جو مسئلہ صحابی بیان کر دیتا ہے، بڑے بڑے فاضل اس پر جرح نہیں کر سکتے کیونکہ صحابی کا قول اپنی ایک خاص حیثیت رکھتا ہے کہ اس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ حاصل کیا ہے۔ کسی پہلو بھی نبوت کے بعد "صحابیت" عظمت اور انتہائی منازل کی دلیل ہے۔ صحابی کا کمال یہ ہوتا ہے کہ جو بھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس پہنچا "ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ"۔ صحبت نبوی کا کمال یہ ہے کہ جس پر نگاہ پڑ گئی اس کا بال بال ذاکر ہو گیا ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ یعنی جسم کا باہر کا حصہ کھال ہے اور انتہائی اندر دل ہے تو اللہ کریم نے دونوں حدیں شمار فرمائیں۔ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ۔ کھال سے لے کر دل تک یعنی سارا وجود گوشت پوست ہڈیاں خون ریشے ذاکر بن گئے۔ جو بھی نگاہ اقدس میں صحبت اقدس میں

آیا اسکا کارواں رواں الکت اللہ کا ذکر ہو گیا۔ یہ کیفیت از خود نصیب نہیں ہوتی۔ از خود کوئی صحابی نہیں بنا۔ جس طرح تعلیمات نبوت تقسیم ہوئی ہیں اسی طرح برکات نبوت بھی تقسیم ہوئیں۔ جو صحابہ کی صحبت میں پہنچا وہ تابعی بن گیا جو تابعین کے پاس پہنچا وہ تبع تابعی بن گیا۔ اسی طرح پھر اہل اللہ نے عمریں صرف کردیں اور پوری پوری زندگی لگادی ان برکات کو حاصل کرنے، حاصل کرکے آگے تقسیم کرنے میں اس لیئے ذکر الہیٰ کے لیئے کسی ایسے شخص کے دروازے پہ ضرور جانا پڑتا ہے جو ان کیفیات کا امین ہو اور انہیں آگے تقسیم کرنے کی اہلیت و استعداد بھی رکھتا ہو۔ بات بنتی تب ہے یہ قاعدہ ہے قدرت کا کہ جب آپ از خود کہیں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنا شروع کردیں تو خدا آپکو کسی ایسے شخص کے پاس لے جائے گا جہاں یہ برکات موجود ہونگی جہاں ارشاد ہوتا ہے

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ وہاں محققین لکھتے ہیں کہ کوئی بھی شخص خلوص دل سے اللہ کی رضا کے لیئے اللہ اللہ شروع کردے۔ مجاہدہ شروع کردے تو بہ خلوص دل سے کرے تو خدا اسکو ایسے لوگوں کے پاس لیجاتا ہے جو اسی کی تربیت کرسکیں۔ لنھدینھم سبلنا سے مراد یہ نہیں ہے کہ خدا اس پر وحی نازل کرنا شروع کردیتا ہے۔ ایسے لوگوں کے پاس لیجاتا ہے جو ہدایت یافتہ ہوتے ہیں اور کسے ہدایت کی طرف لے آتے ہیں۔

مختصراً اس سوال کے دونوں حصوں کا جواب یہ ہے کہ ذکر ضروری ہے۔ اس کی بہت اہمیت ہے۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ہے کہ "اپنے رب کے نام کی تکرار کیا کر" تو دوسرا کوئی مستثنیٰ نہیں ہوسکتا اس کی کیفیات حاصل ہوتی ہیں۔ صحبت نبوی سے آپ کے بعد صحابہ کی صحبت سے پھر تابعین تبع تابعین سے اسی طرح اہل اللہ مشائخ عظام کی صحبت سے حاصل ہوتی ہیں اسی لیئے جس طرح تعلیمات نبوی کا حصول علمائے کرام سے ممکن ہوتا ہے تو برکات نبوی کا حصول اولیاء اللہ کی صحبت و فیض سے ہوتا ہے۔

آپ دیکھتے ہیں ہر ارشاد نبوی کے ساتھ روایت کا ایک سلسلہ ہے کہ فلاں نے فلاں سے بات سنی فلاں نے فلاں سے اور بالآخر وہ روایت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔ اسی طرح برکات نبوی کا بھی سلسلہ ہے کہ فلاں نے فلاں سے یہ برکات حاصل کیں اس نے فلاں سے اس نے

فلاں سے حاصل کیں حتیٰ کہ یہ سلسلہ بارگاہ اقدس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تک پہنچتا ہے جسطرح روایت سے حدیث و تعلیمات نبویؐ کی اسی طرح شجرۂ مبارکہ ہے اُن برکات اور اُن سلاسل کا جن میں فیوض و برکات تقسیم ہوتے ہیں اور ملتے آتے ہیں۔ جسطرح تعلیمات نبویؐ حاصل کرنے کیلئے ہمیں ان لوگوں کے پاس جانا پڑتا ہے جنہوں نے تعلیمات نبویؐ سے اپنے سینے منور کئے ہیں۔ اور دوسروں کو پڑھانے کی استعداد رکھتے ہیں اسی طرح برکاتِ ذکر حاصل کرنے کے لئے بھی اُن لوگوں کے پاس جانا پڑے گا جنہوں نے یہ نعمت حاصل کی جنہیں اللہ نے یہ نعمت بخشی ہے۔ اور پھر وہ اسکو تقسیم کرنے کی استعداد بھی رکھتے ہیں۔

اَللّٰہ جل شانہٗ کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں اس گئے گزرے دور میں جب لوگ مادی عیش پرستی میں اور ادنیٰ خواہشات کے پیچھے اپنی زندگیاں تلف کر رہے ہیں۔ اس ہنگامہ مادہ ہو میں اور اس بھیڑ بھاڑ میں اپنی یاد اپنے نام کے ذکر کرنے اور اپنی طرف بڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ایک بات یاد رکھیں تبلیغ میں دو برکتیں ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ آدمی دوسروں تک اللہ کی بات پہنچا کر اس کا اجر و ثواب لیتا ہے اور دوسری برکت یہ ہوتی ہے کہ جو شخص تبلیغ کرنا شروع کر دے اس کی اپنی اصلاح ہوتی رہتی ہے۔ جب کوئی دوسرے کو کسی برائی سے منع کرتا ہے تو اس کے اندر ایک احساس پیدا ہو جاتا ہے کہ میں لوگوں کو منع کرتا ہوں۔ کم از کم خود تو نہ کروں۔

یہی حال یہاں برکات ذکر کا بھی ہے جب آپ دوسروں کو اس کی تلقین کریں گے تو آپکا وجود اس کا پابند ہوتا چلا جائے گا۔ ایک تو حق نعمت ادا ہوگا۔ اپنے ملنے والوں کو اپنے دوستوں کو جہاں تک آپکی آواز پہنچے گی وہاں تک یہ بات ضرور پہنچائیں۔ اس کے دو فائدے ہونگے اللہ کرے وہ بھی اللہ اللہ کرنے لگ جائیں تو اس کا اجر و ثواب بھی آپکو ہوگا۔ اگر کوئی نہ بھی کرے تو آپ خود اس کے پابند ضرور ہو جائیں گے۔ یہ برکت تو ضرور حاصل ہوگی۔

خداوند کریم ہم سبکو حاضر و غائب تمام احباب کو عامۃ المسلمین کو اس کی برکات سے مستفید فرمائے (آمین)

اِفہام و تفہیم

پروفیسر حافظ عبد الرزاق

سوال

حضرت نے اپنے درس میں سانس کے ذریعے ذکر کرنے کے بارے میں بتایا تھا کہ وقت کے ساتھ ساتھ طریقے بدلتے رہتے ہیں مثلاً جہاد اس زمانے میں تلوار کی بجائے ہوائی جہاز اور توپ سے کیا جائے گا۔ چونکہ یہ چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھی اس لیئے اس کے استعمال پر کسی عالم کو اعتراض نہیں لیکن سانس کی ڈور تو جو آج ہے وہ پہلے بھی تھی۔ اس لیئے یہ تشریح اس سے مطابقت نہیں رکھتی اس لیے حضرت سے درخواست ہے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں کوئی ایسی بات ارشاد فرمائیں کہ اس طرح سے ذکر کا جواز ہو جائے کیونکہ یہاں پر بعض حضرات نے اعتراض کیا اور میرے پاس ان کے لیئے کوئی جواب نہیں ہے (ایک ساتھی اہلحدیث ہیں اور ایک جماعت اسلامی سے وابستہ ہیں)

امید ہے حضرت کی دعائیں اور رہنمائی شامل حال رہے گی۔

خادم

ڈاکٹر رشید (لندن)

الجواب

عزیزم ڈاکٹر صاحب! عاقبت بخیر باد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپکا گرامی نامہ پہنچا۔ آپ کا سوال کا جواب دینے کے لیئے ذرا طوالت سے کام لینا پڑے گا۔ آپ گھبرا نہ جائیں۔

(۱) اس حقیقت سے تو آپ واقف ہیں کہ دین سارے کا سارا قرآن و حدیث میں

موجود ملتا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں پھر صحابہ کرام کے زمانے میں دین کی تعلیم کے لئے صرف قرآن کی تعلیم دی جاتی تھی اور اس کی تفسیر کے سلسلے میں احادیث پیش کی جاتی تھیں اور دین کا فہم حاصل ہو جاتا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ جو بے شمار دارالعلوم کھلے ہوئے ہیں جن میں دین کی تعلیم دی جاتی ہے ان میں صرف نحو، معانی، منطق، اصول، فلسفہ، بیان، فقہ، صحاح ستہ جلالین اور بیضاوی کیوں پڑھائی جاتی ہیں۔ اور قرنِ اول میں ان کے بغیر دین کا علم حاصل ہو جاتا تھا۔ تو آج ان علوم کے بغیر کیوں نہیں حاصل ہوتا پھر ان علوم میں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ان کی اچھی خاصی لمبی فہرست ہے۔ یہ کیوں پڑھائی جاتی ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس زمانے میں یہ کتابیں نہیں تھیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے یہ کتابیں کیوں تصنیف کی گئیں؟

عقلِ سلیم سے کام لیا جائے تو اس سوال کا جواب یہ ہوگا کہ دین کا فہم، دین پر عمل اور دین کی اشاعت کے لئے یہ تدابیر اختیار کی گئیں جو برسوں کی عمل اور تدریسی تحقیقات کا نتیجہ ہے۔ اس سے ایک اصول ہاتھ آیا کہ دین کے فہم اس پر عمل اور اس کی اشاعت کے لئے جو مناسب تدابیر اختیار کی جائے اور اس سے وہ مقاصد حاصل ہوں تو یہ دین کی خدمت ہوگی۔ اس لئے اہلِ فن نے اس کے لئے ایک اصطلاح TERM بنائی ہے۔ احداث للدین اور اسکو اس سے الگ کر دیا جسے عرفِ عام میں بدعت کہتے ہیں اور اصطلاح میں اسکو احداث فی الدین کہا جاتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ احداث فی الدین ممنوع ہے اور احداث للدین دین کی خدمت ہی کی ایک صورت ہے۔

رہی یہ بات کہ سانس کے ساتھ ذکر کرنا۔ تو یہ جملہ غلط ہے۔ سانس کے ساتھ ذکر نہیں کیا جاتا بلکہ ذکر قلبی کیا جاتا ہے۔ اس کی تفصیل سنیئے۔

۱۔ ذکر قلبی کا حکم قرآن کریم میں صراحۃً بیان کیا گیا ہے۔ بلکہ اس کی اہمیت کا اندازہ کیجئے کہ ارشاد ہے۔ ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا اور ولا تطع کا حکم قرآن کریم میں چھ مقام پر آیا ہے۔ ان سارے مقامات کو سامنے رکھیں تو ذکر قلبی کی اہمیت واضح ہو جائے گی۔ واذکر ربک فی نفسک۔ تضرعًا ۔۔۔۔

۲۔ ارشادِ ربانی ہے

ولا تکن من الغافلین ○

۳ حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے۔ فرماتی ہیں کان رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ فی کل احیانہ　　یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کے ہر لمحے میں اللہ کا ذکر کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ہر لمحے ذکر لسانی کرنا ممکن ہی نہیں لہٰذا یہ ذکر قلبی تو ہے۔

۴۔　ولاتکن من الغافلین　میں لفظ غفلت قابل غور ہے۔ غفلت کلی مشکک ہے RELATINE TERM یعنی عمر بھر کی غفلت سال بھر کی غفلت مہینے کی ہفتے کی دن کی گھنٹے کی ایک لمحہ کی غفلت۔ ہر حال میں غفلت ہے اور ولاتکن من الغافلین کا تقاضہ یہ ہے کہ غفلت مطلق نہ ہونے پائے۔ تو اہل دل نے قرآن وحدیث کی روشنی میں جب اس پر ریسرچ کی تو انسانی اعمال میں سے ایک عمل ایسا پایا جس میں ایک لمحے کی غفلت بھی نہیں ہوتی اور انسان چاہے بھی تو نہیں کر سکتا۔ اور وہ عمل ہے سانس لینا۔ انہوں نے غفلت سے بچنے کی یہ تدبیر نکالی کہ دل کی ہر دھڑکن کو سانس کے ساتھ CO-ORDINATE کر لو۔ تو دل کی ہر دھڑکن کے ساتھ ذکر قلبی ہر لمحے جاری رہے گا چنانچہ اسی بنا پر اس طریقے کا نام رکھا ذکر پاس انفاس یعنی ہر سانس کی نگرانی کرنا کہ قلب ذکر کر رہا ہے۔

پس احداث للدین کے اصول کے تحت اگر دین کی تعلیم کے لئے بیسیوں کتابیں تصنیف کر لینا اور انکی تعلیم دینا قرآن وسنت کے خلاف نہیں تو اسی اصول کے تحت ولاتکن من الغافلین کا حکم کی تعمیل کے لئے یہ تدبیر اختیار کرنا قرآن وسنت کیخلاف کیوں ہے۔

یہاں پھر اعتراض ہوگا کہ یہ حکم تو حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بھی موجود تھا۔ اس زمانے میں پاس انفاس کے بغیر کیوں کام چل سکتا تھا۔ آج کیوں نہیں چل سکتا۔ تو اس کا ایک ہی جواب تو یہ ہے کہ حضور اکرمؐ اور صحابہ کے زمانہ میں بھی دین تھا تو ان کتابوں کے بغیر اگر اس دور میں دین کا فہم حاصل ہو سکتا تھا تو آج کیوں نہیں ہوتا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ذکر الٰہی ذریعہ ہے تزکیہ کا اور حضور اکرمؐ کی نگاہ میں یہ تاثیر تھی کہ جو سامنے آیا ایک نگاہ سے اس کا تزکیہ اس درجے کا ہوا کہ لاکھوں مجاہدوں سے بھی اس کا عشر عشیر

نہیں ہوسکتا۔ صحابہ کا تزکیہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نگاہ سے ہوگیا۔ مگر ذکر الہی ان کیلئے بمنزلہ غذا کے ہوگیا۔ اس کی شہادت قرآن خود دیتا ہے کہ ترٰھم رکعا سجدا یعنی تو انہیں جب بھی دیکھے رکوع وسجود میں دیکھے گا۔ ظاہر ہے کہ ہر وقت نماز ہی تو نہیں پڑھ رہے ہوتے تھے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے قلب کا تعلق اپنے رب سے ہر وقت یوں جڑا رہتا تھا کہ ان کا ہر فعل اس کی شہادت دیتا تھا۔ اور ہمارے لیئے ذکر الہی اول غذا ہے۔ پھر اپنے اپنے ظرف کے مطابق غذا بنتا ہے۔ اس کے دوا ہونے کا ثبوت حدیث سے ملتا ہے اور قرآن سے بھی ارشاد ہے۔

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

اور حدیث ہے کہ

لکل شئی صقالۃ وصقالۃ القلوب ذکر اللہ

اگر آپ ماڈرن سائنس کے ذریعے یہ اصول سمجھنا چاہیں تو اس کی صورت یہ ہے کہ کسی SUBSTANCE کو MAGNATIZE کرنے کے چار طریقے ہیں ایک الیکٹرک کرنٹ اس میں پاس کرو تو فی الفور مقناطیس بن جائے (۲) اگر یہ نہیں تو سنگل ٹچ سسٹم (۳) ڈبل ٹچ سسٹم (۴) انڈکشن۔ تو جب الیکٹرک کرنٹ موجود ہو تو دوسرا اور تیسرا ذریعہ اختیار کرنے کی ضرورت نہیں صحابہ کرام کو پہلا اور چوتھا دونوں ذریعے میسر تھے۔ وہ مقناطیس بن چکے تھے۔ انہیں تیسرے اور چوتھے ذریعے کی کیا ضرورت تھی۔ مگر جب وہ الیکٹرک کرنٹ میسر نہ آئے تو تیسرے اور چوتھے کے بغیر کوئی ذریعہ نہیں۔ امید ہے کہ اب تو بات صاف ہوگئی ہو گی

والسلام

ناچیز عبد الرزاق

حضرت مولانا محمد اکرم صاحب کا مشرق وسطیٰ کا تبلیغی دورہ

قسط نمبر ۳

حافظ غلام جیلانی

۲۱ جنوری

آج صبح دوبئی جانے کا پروگرام بنا۔ وہاں حاجی حبیب الرحمٰن صاحب کے گھر مختصر سی مجلس ہوئی پھر شارجہ روانہ ہو گئے۔ سمندر کے کنارے ایک خوبصورت مسجد میں نماز ظہر ادا کی اور اپنے ایک ساتھی محمد جاوید صاحب کے گھر چلے گئے۔ وہاں مختصر سی مجلس ہوئی۔ دعا ہوئی اور واپس ابو ظہبی آ گئے۔ رات ابن عبدالبر کی وسیع مسجد میں حضرت کا بیان ہوا۔ بیان سے قبل حاجی الطاف صاحب نے سلسلہ کا اور حضرت کا تعارف کرایا۔

حضرت نے سورۃ الفتح کی آخری آیات تلاوت کر کے تشریح شروع کی۔ فرمایا حضور اکرم کی ذات ستودہ صفات وہ ہے جس کی تعریف رب کریم خود کرتا ہے۔ حضور اکرم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپکو صداقت کا اقرار دشمنوں نے بھی کیا۔ انبیائے کرام پہلے بھی آتے رہے ہیں، حق کی دعوت دیتے رہے۔ انبیاء پر جھوٹ کی تہمت بھی لگائی گئی مگر یہاں کفر کی مجبوری تھی کہ حضور اکرم کو سچا کہے۔ جہاں تک ماننے والوں کا تعلق ہے وہ آپ کی برکات سے مستفیض ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے مگر ایک طبقہ ایسا ہے جن کو اس استفاضہ میں خصوصی شان حاصل ہوئی۔ ان کی تعریف کرتے ہوئے رب کریم فرماتا ہے۔ ان کے تعارف کا آغاز ان الفاظ کے ساتھ ہوا۔ " وہ جو اس کے ساتھ ہیں " یہ ساتھ ہونا جسکو معیت کہا گیا ہے اس کی ایک قسم معیت باری ہے۔ یہ قرآن حکیم میں تین قسم کی بیان ہوئی ہے۔

۱ــــ انبیاء کو معیت باری حاصل ہوئی جو معیت صفاتی تھی۔ حضرت موسیٰؑ کے متعلق ارشاد ہوا انی معلما اسمع واری

یعنی معیت سمع اور رویت

۲ــــ ولی اللہ کو معیت باری جو ولی اللہ کی صفت کے ساتھ مشروط ہے مثلاً ان اللہ مع الصابرین، ان اللہ

مع المحسنین۔

۲ —— وہ معیت جو دونوں طرف سے ذاتی ہو یہ رتبۂ بلند دنیا میں صرف دو ہستیوں کی ذات کو حاصل ہوئی۔ انبیاء میں حضورؐ اکرم اور امت میں صدیق اکبرؓ۔

ارشاد ہوا۔ ——

لا تحزن ان اللہ معنا یہاں معیت باری کسی صفت کے ساتھ مشروط نہیں بلکہ ذاتِ باری کی معیت ذاتِ رسول اور ذات صدیقؓ سے ہے۔

پھر فرمایا کہ جن کو میرے نبی کی معیت حاصل ہے ان کی خصوصیت یہ ہے کہ کفر کے مقابلے میں بڑے سخت ہیں مگر مومن سامنے آئے تو نسیم سحر بن جاتے ہیں، یہ کمال محبت کا ہے یہ وصف صحابہ کرام میں تو بدرجہ اتم موجود تھا۔ مگر ہر مومن میں اس کی جھلک تو ہونی چاہیے۔ اگر اس میں کمی ہے تو قصور ہمارا ہے۔ دو سو کروڑ مسلمان موجود ہوں اور چند لاکھ یہودی ان پر غالب آجائیں اشداء علی الکفار کی جھلک کیوں نہیں۔ اس لیے رسولِ کریم کے ساتھ وہ رشتہ کہاں رہ گیا جو صحابہ کرام کے قلوب کا حضورؐ کے ساتھ تھا۔ رشتہ کمزور ہو گیا جو چند سکوں کے عوض بک جاتے اسے معیت کہاں حاصل ہو۔

اس کی تیسری نشانی بتائی کہ اے مخاطب تو انہیں رکوع اور سجدہ میں دیکھے گا۔ رکوع اور نماز کے ارکان ہیں تو کیا وہ ہر دیکھنے والے کو ہر وقت رکوع و سجدہ میں نظر آتے تھے؟ نہیں بلکہ ان کی زندگی کا ہر فعل ہر حرکت احکام الٰہی کے تحت ہوتی تھی۔ اس لیئے ان کی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر حالت بمنزلہ رکوع وسجود تھی۔

دیر ہو گئی تھی بات تشنہ رہی لیکن جتنی ہوئی دلوں میں اتر گئی۔ اگلی مجلس ذکر میں بہت سے نئے حضرات شامل ہوئے اور بیعت کر کے سلسلے میں داخل ہوئے۔

۲۲ جنوری

آج مغرب ہر معمول میں عجب کیفیت تھی۔ مراقبہ دربار نبوی میں دیکھا کہ ساتھیوں کو لباسِ فاخرہ، سنہری پیٹی اور سر پر تاج۔ ساتوں ساتھی ایک صف میں تھے۔ پھر متحدہ امارات کی جماعتوں کو پیش کیا گیا۔ زیادہ محنت کی تاکید ہوئی رات دس بجے ابوظہبی سے روانگی کا حکم ملا ائیرپورٹ پر پہنچے۔ گلف ائیرویز کے جہاز پر سوار ہوئے۔ ۲۳ کی صبح ۴ بجے کراچی ائیرپورٹ پر پہنچ گئے۔

کرنل بشیر صاحب کی قیادت میں بہت سے ساتھی ائیرپورٹ پر موجود تھے۔ مختصر سی مجلس ہوئی۔ اسلام آباد کے لیئے روانہ ہوئے۔ جہاز تین گھنٹے لیٹ ہو گیا۔ ۱۲ بجے اسلام آباد پہنچے بریگیڈیر محمد اکرم صاحب مع ساتھیوں کے استقبال کے لیئے موجود تھے۔ جلد جلد سامان سمیٹا اور رشد آباد

کے لیئے چل پڑے۔ نمازِ عصر کے بعد حضرت جی رح کے دربارِ اقدس پر حاضری دی۔ حضرت نے معمول کرایا۔ نمازِ مغرب کے بعد دارالعرفان کو روانگی ہوئی۔ گاڑیوں کی ایک لمبی لائن لگ رہی تھی۔

۲۴ جنوری

تہجد کے بعد معمول میں عمرہ کے اثرات واضح طور پر محسوس ہو رہے تھے۔ صبح کی نماز کے بعد حضرت نے خطاب فرمایا: ارشاد ہوا۔ اس مادہ پرستی کے دور میں مادی آسائشوں اور سامان کے حصول بلکہ لوٹ کھسوٹ کے لیئے دوڑ لگ رہی ہے۔ اس نے دلوں سے محبت کا جذبہ چھین لیا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہ چند بے نوا درد کی لذت اور دین کا جذبہ لے کر جمع ہوئے ہیں۔ یہ جماعت تقویٰ کی بنیاد پر معرضِ وجود میں آئی تھی۔ حضرت جیؒ ابتدائی سولہ سال ایسے تھے کہ آپ کی ذات ہی جماعت تھی۔ پھر قاضی صاحب لیتی والے اور حاجی محمد خان ڈھلی والے شامل ہوئے۔ حضرت جی رح فرماتے تھے کہ میرا دل گوشہ نشینی کی طرف مائل ہونے لگا۔ ایک دن مراقبہ فنافی الرسول میں حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: اسلام کی عمارت جو تیار ہوئی تو اس میں پتھر نہیں۔ میرے صحابہ کی ہڈیاں لگیں۔ اس میں گارا نہیں میرے صحابہ کا گوشت لگا۔ اس میں پانی نہیں میرے صحابہ کا خون لگا۔ آج لوگ میرے دین اور میرے صحابہ کی توہین کرتے ہیں۔ جاننے والے اگر خاموش بیٹھے رہیں کہ ہمارے مشاہدات متاثر ہوتے ہیں تو کل میدانِ قیامت میں کیا جواب دیں گے۔ حضرت جیؒ فرماتے ہیں کہ اس دن سے میری زندگی کا ایک ایک لمحہ اسی فکر اور اسی تدبیر میں صرف ہو رہا ہے۔

یہ اجتماع جو جنگل کی ایک ڈھوک ــــ ٹلیالہ ــــ شروع ہوا۔ آج جس جوبن پر ہے، آپ دیکھ رہے ہیں۔ اس دفعہ حرمین شریفین میں بھی اسی طرح کا ہجوم دیکھا۔ مدینہ منورہ میں ذکر کرتے تھے تو تمام کمرے بھر جاتے تھے۔ یہی حال ابوظہبی میں رہا۔ ہم پر اس کا شکر واجب ہے اس لیئے اپنی اصلاح کی فکر کرو۔ سنت کے مطابق زندگی بسر کرو۔ احساسِ ذمہ داری اپنے اندر پیدا کرو اللہ کریم ہم سب غائب و حاضر کو استقامت علی الدین نصیب کرے۔

الحمد للہ یہ رحمتوں اور برکتوں کے پچیس روزہ سفر بخیر و خوبی انجام پذیر ہوا ع

خدایا ایں کرم بارِ دگر کن

عبدالغفار ملک

اسلام کا مطلوبہ انسان

انسانیت دم توڑ رہی تھی ۔ روئے زمین سے اخلاق ، محبت ، غم خواری ، ہمدردی کے جذبات ناپید ہو چکے تھے ۔ انسان اور حیوان میں فرق مٹ چکا تھا بلکہ " اولئك كالانعام بل هم اضل " کا سماں بندھ چکا تھا کہ رحمت باری جوش میں آئی اور اپنا رسول بھیج کر پوری کائنات کے لیئے صدائے عام کر دی " کہو ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ، کامیاب ہو جاؤ گے "
دنیا کے فلاسفر ، حکما اور دانا ورطۂ حیرت میں ڈوب گئے کہ وہ گتھی جو ان سے سلجھ نہیں رہی تھی اُسے چند الفاظ نے حل کر کے رکھ دیا ۔

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

اسلام نے انسان کو پہلا سبق توحید و رسالت کا اقرار دیا ۔ جس کے پڑھ لینے سے انسان پر لازم ہو گیا کہ اب وہ دین حنفہ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے ، کلمہ توحید پڑھنے کے بعد مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ وہ اصول دین اور فروعات دین کے ساتھ ساتھ فرائض ، واجبات سنن ، اور نوافل سے لیکر الوہیت باری ، اس کے فرشتے ، جنت دوزخ ، قیامت کے تک کے علوم پر عبور حاصل کرے ، تب جا کر وہ کامل مومن ہو سکتا ہے اور یہی وہ علوم ہیں جنکو بیان کرنے سے فلسفہ ، منطق وغیرہ تمام علوم عاجز آ چکے تھے ۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ نظام کائنات اور خالق کائنات کا تعلق کیا ہے اور کس طرح یہ مضبوط ہوتا ہے ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ اطہر نے عام آدمی کو مقام صحابیت عطا فرمایا ۔ صحابی تصدیق معراج کرنے تو مقام صدیقیت کی بلندیاں اُس

کے قدموں میں پامال ہو جاتی ہیں ۔ جابر اور جنگجو کو کلمہ توحید نصیب ہو تو فاروقِ اعظم کے مقاماتِ عظمیٰ پر لاکھڑا کرے اور یہ سارے کمالات ایک نقطہ میں پنہاں تھے کہ " اللہ ایک ہے "

اسلام نے انسان کے کردار میں اور گفتار میں ہم آہنگی پیدا کر دی جو لوگ دوسروں پر ظلم کرتے تھے وہ منصف بن گئے ۔ جن کا پیشہ قتل وغارت اور خون خرابہ تھا چشمِ فلک نے دیکھا کہ وہی عادل ، مدبر اور بہترین جرنیل بنکر شمعِ رسالت کی حفاظت کر رہے ہیں متکبر اور مغرور انسان عاجزی اور انکساری کا نمونہ بن گئے ۔ دُنیا میں ایک مثالی معاشرہ رُونما ہو گیا جس نے امن و سلامتی اور اخوت و ہمدردی کا پیغام دے کر سسکتی انسانیت میں دوبارہ رُوح پھونک دی ۔ ارض عالم جنت نظیر بن گئی ۔ حوادثِ زمانہ نے ایک بار پھر یہ سب کچھ انسان سے چھیننے کی کوشش کی مگر غلامانِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جن کو آپ نے انبیاء کا وارث ٹھہرایا ہے ۔ اُٹھے اور حفاظتِ دین میں سر دھڑ کی بازی لگا دی ۔ کفر کی تاریکی کو نورِ توحید سے ایسی جلا بخشی کہ ہر سُو اُجالا قائم ہو گیا ۔ صوفیا نے تصوف میں تخصص پیدا کر کے فریضہ تزکیہ نفوس پر توجہ مرکوز کر دی ۔ یہ ذکر کے حلقے ۔ یہ قال اللہ اور قال الرسول کی محفلیں شیطانی یلغار کے مقابلہ میں حصن حصین ثابت ہوئے ۔ چونکہ یہ سب کچھ حصولِ رضائے باری کا ذریعہ ہے ۔ جہاں یادِ خدا ہو وہاں شیطان کا گذر نا ممکن ہے شیطانی گروہ انسان کی غفلت سے فائدہ اُٹھا کر اُسے تباہ و برباد کر دیتا ہے ۔ کیونکہ انسان مٹی سے بنا ہے اور وہ اپنی اصل کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے سفلی عادات جلد قبول کرتا ہے ۔ جب یہ عناصر اربعہ کا امتزاج درست نہیں رہتا تو پھر انسان گمراہی کے اندھیرے میں کھو کر رہ جاتا ہے اور مالک حقیقی سے باغی نظر آتا ہے ۔ اس بغاوت کا واحد حل ذکر اللہ ہے کیونکہ اطمینان قلب فقط ذکر اللہ سے حاصل ہوتا ہے ۔ انسان مطمئن ہو تو پھر وہ ہر اچھے بُرے کی تمیز کر سکتا ہے ۔ اُس وقت اُس کے اندر یادِ الٰہی کا دریا موجزن ہو جاتا ہے اور وہ ذکر کی کثرت کرتا ہے ۔ جس کی بدولت روحانی زندگی میں جلا آجاتی ہے ۔ رُوح پھر اپنے اصل کی طرف مائل پرواز ہو جاتی ہے ۔ جو باعث حصولِ انواراتِ باری ہے ۔ جب انسانی بدن انواراتِ الٰہیہ سے روشن ہوتا ہے تو کیفیاتِ دل بدل جاتی ہیں آدمی ہمہ وقت ذکرِ الٰہی میں غرق رہتا ہے اس مقام پر پہنچکر انسان کے اندر عجز و انکساری پیدا ہو جاتی ہے وہ اپنے آپکو حقیر سمجھنے لگتا ہے کیونکہ اس کی نگاہ ہمہ وقت انواراتِ باری کا مشاہدہ کرتی رہتی ہیں ۔ جیسے دُنیا کا اصول ہے

کہ شاہی دربار میں عام آدمی اپنے آپکو نہایت ہی حقیر سمجھتا ہے۔ جب بادشاہ سامنے ہو تو اس کا اٹھنا بیٹھنا بات کرنا بلکہ ہر حرکت نہایت ہی مہذب۔ اور سلجھی ہوئی ہو گی کہ کہیں کوئی چیز بادشاہ کی طبیعت پر ناگوار نہ گذرے اور وہ ناراض ہو جائے۔

اس طرح جب مالکِ حقیقی تک رسائی ہو جاتی ہے اور انوارات و تجلیات باری نگاہ و دل میں سما جاتے ہیں تو انسان کے اندر تبدیلی خود بخود آجاتی ہے۔ وہ اپنے آپکو عاجز سمجھنے لگتا ہے۔ بردبار ہو جاتا ہے۔ دُنیا کے طعنے اس پر اثر انداز نہیں ہوتے وہ رضائے دوست میں گم ہو کر تا ہے اور ہر حال میں مالک کی رضا کا طالب رہتا ہے۔ بقول رومیؒ

آدمیت لحم و شحم و پوست نیست
آدمیت جُز رضائے دوست نیست

اس مقام پر پہنچکر انسان کی زندگی با مقصد ہو جاتی ہے اس کا اٹھنے والا ہر قدم سُلجھا ہُوا ہوتا ہے ذراسی لغزش بھی اس کے اندر ہیجان پیدا کر دیتی ہے اور وہ بے چین ہو جاتا ہے کہ کہیں شہنشاہِ حقیقی ناراض ہی نہ ہو جائے۔ اس کا کا حصول بھی تب ہوتا ہے کہ انسان کا تعلق ایسے شخص سے پیدا ہو جو قرب الٰہی حاصل کر چکا ہے۔

جسے عرف عام میں پیر کامل کہتے ہیں۔ اور پیر کامل کی صحبت اُس کے ساتھ حقیقی ارادت سونے پر سہاگہ کا کام دیتی ہے۔

بقول اقبال ؎

کیمیا پیدا کن از مشت گلے
بوسہ زن بر آستان کاملے

یہاں ایک اور امتحان آتا ہے جسیں کامیابی انسان کو انسانیت سے بہرہ ور کرتی ہے۔ جب کسی مردِ کامل کے ہاتھ میں ہاتھ دے اور صفائی قلب کا ارادہ رکھتا ہو۔ خلافت کا امیدوار نہ ہو اپنے آپکو شیخ کے مقام پر دیکھنے کا آرزومند نہ ہو ورنہ پھر متکبر اور باغی ہو جائے گا۔ یہاں تو خلوص شرط ہے اپنی اُخروی زندگی میں کامیابی اور دُنیاوی زندگی میں کامرانی کا ارادہ رکھ کر انسان سالک تصوف بن سکتا ہے۔ اپنے آپکو تمام آفات سے بچانا پڑتا ہے۔ دُنیا کے خاردار اور گھنے جنگل سے سلامت نکلنا اس کی کامیابی ہے۔ اس کیلئے اکل حلال پہلی منزل ہے لقمہ حلال کمانے کی سعی انسان کرلے تو توفیق خداوند عالم دے گا۔ حلال کھائے گا تو اس کا قلب روشن ہوگا۔ گناہوں کا زنگ خود بخود اُتر جائے گا

حلال کے ساتھ پاکیزہ کھانے کی قید بھی ہے یعنی حلال کھانا ہو، صاف ستھرا ہو۔ تب جاکر

صفائی قلب کا باعث بنے گا۔ دل میں صفائی آئے گی تو تجلیات باری کا مخزن بن جائے گا۔ تجلیات باری انسان کو معراج انسانیت سے ہمکنار کر دیں گی اور انسان اوصاف حمیدہ کا مالک بن جائے گا۔ جن کا اسلام اپنے پیروکاروں سے مطالبہ کرتا ہے جو ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے ہی نہیں بلکہ عمل کر کے دکھائے ہیں۔ کہ مسلمان ایک ہی وقت میں عالم بھی ہو، عابد بھی ہو، متقی بھی ہو، میدان کارزار میں مجاہد و جرنیل ہو۔

بقول اقبالؒ ؎

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

اس کا دل موم کی طرح نرم ہو، اپنے مسلمان بھائی سے اخوت ہو مگر کفر کے مقابلہ میں دیوار آہن ثابت ہو جس کا ارشاد خداوند عالم نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ "محمد اللہ کے رسول ہیں جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں آپس میں رحمدل ہیں اور کفار پر سخت ہیں۔"

ان صفات کا تقاضا اسلام نے کرتے ہوئے مسلمان کو حکم دیا ہے "ایسے ایمان لا جیسے صحابہ کرامؓ لائے تھے تب جاکر ہدایت یافتہ ہو گا۔" خداوند عالم ہر مسلمان کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

اسلام نے مسلمانوں کو صحابہ کرامؓ کی زندگی کی مثال پیش کی ہے تاکہ کسی کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہو کہ فلاں حکم مشکل ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام نے تمام احکامات پر عمل کر کے دکھایا ہے۔ اس لئے خدائے قدوس نے بھی فرمایا ہے کہ ہدایت پانے کی تمنا ہو تو پھر صحابہ کرامؓ کی زندگی کو مشعل راہ بنانا۔ تب منزل مقصود پر پہنچنا آسان ہو گا ورنہ دنیا کی بھول بھلیاں تجھے ایمان سے بھی محروم کر دیں گی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین کے وجود سنت خیر الانام کا نمونہ تھے بالفاظ دیگر اگر کسی کو مجسم سنت دیکھنے کی خواہش ہو تو صحابہ کرام کی زندگی کا نمونہ دیکھ لے۔ اسلام نے عامۃ الناس کو دعوت دی ہے کہ اپنی زندگی کو صحابہ کرامؓ کی زندگی کا نمونہ بناؤ۔ اسی لئے باری تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لوگو اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ یہاں کسی خصوصیت کو مدنظر رکھے بغیر اعلان فرمایا مگر جب کوئی مسلمان ہو گیا، کلمہ پڑھ لیا، دائرہ اسلام میں داخل ہوا تو پھر زندگی اس کی اپنی نہیں بلکہ منشائے باری کے تحت اُسے رہنا ہو گا۔

"تب ہی فرمایا کہ ایسے ایمان لاؤ جیسے صحابہ لائے تھے۔ تب ہدایت پاؤ گے۔"

خدائے پاک پاکیزہ زندگی ہر مسلمان کو عطا فرمائے۔

دیکھتا چلا گیا

سیلانی کے قلم سے

سیلانی کو اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ وہ مغربی اور لادین کی سیاست کی ابجد سے بھی واقف نہیں مگر جب بات عقل عامہ کی ہو تو کرنا ہی پڑتی ہے۔

میاں عبدالرشید صاحب اسلامی ذہن اور اسلامی درد رکھنے والے بزرگ ہیں۔ آپ نے پاکستانی پارلیمانی طریق کار کے عنوان سے ایک حقیقت بیان فرمائی ہے اور نہایت دلسوزی کے جذبہ کے ساتھ ایک مشورہ دیا ہے۔ ارشاد ہے۔

"ایک بار مسٹر چرچل نے جو اپوزیشن کے لیڈر تھے پارلیمنٹ میں کہا تھا میں حزب مخالف کا لیڈر ہوں اس لئے حکومت کے ہر اقدام کی مخالفت کروں گا۔"

اور میاں صاحب نے مشورہ دیا ہے کہ ہماری حزب مخالف کا اصول یہ ہونا چاہیے کہ اچھے کام میں تعاون اور غلط کام میں عدم تعاون اور عدم تعاون میں بھی تعاون کی روح ہو اور وہ یوں کہ غلط [illegible] اصلاح کی تجاویز پیش کی جائیں۔

میاں صاحب کا مشورہ نہایت قیمتی ہے۔ پلے باندھنے بلکہ سینے سے لگا لینے کے قابل، مگر عملی دنیا میں بالعموم واقعات فطری ترتیب اور فطری اصول کے مطابق ہی رونما ہوا کرتے ہیں۔

جس پارلیمنٹ کے اراکین خالص مغربی سیاست کے اصولوں کے مطابق انتخاب میں آئے ہوں۔ جہاں رکن بننے اور ووٹر بننے کے لئے صرف وصف درکار ہے کہ وہ بالغ ہو اور بس۔ جہاں پولیس ریکارڈ میں لستہ ب میں درج دوٹر کی رائے کی وہی قیمت ہو جو سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی رائے کی کیونکہ دونوں بالغ ہیں وہاں انتخاب کا نتیجہ ظاہر ہے کہ

بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

یا

از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید

تو ایسے حالات میں یہ کیونکر ممکن ہو کہ تعاونوا علی البر والتقوی کا اصول اپنایا جائے یہ بات کچھ ایسی بنتی ہے کہ چیل اور کوے کے انڈوں سے کبوتر کے بچے حاصل کرنے کی تمنا دل میں پال جائے۔

یا آگ کا بیج بو کر اس انتظار میں آدمی بیٹھے کہ اب اس پر آم لگیں گے اور مزے سے کھائیں گے ۔

میر سادہ ہیں کہ بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

لہذا فطری اصول کے مطابق تو بات مشکل ہی نظر آتی ہے البتہ سائنس کا کوئی کمال یہ صورتِ حال پیدا کردے تو کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

ہاں اس دور کے حالات کے پیش نظر ایک لحاظ سے امکان نظر آتا ہے وہ یوں کہ جنس کی تبدیلی کے واقعات اس دور میں سامنے آرہے ہیں کہ لڑکی بڑھتے بڑھتے لڑکا بن گئی اور لڑکا بڑا ہوا تو لڑکی بن گئی ۔ اور وہ بھی سینما کی سٹیج کی نہیں بلکہ سچ مچ کی ۔ اس لیے توقع یہ ہوسکتی ہے کہ مغربی اور لادینی جمہوریت کے اصولوں کے مطابق انتخاب میں آئی ہوئی پارلیمنٹ اللہ کی قدرت سے اسلامی اقدار کی حامل پارلیمنٹ بن جائے۔

یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی ذالکم اللہ

بقیہ روزے کے روحانی تقاضے

ہماری بربادی کیسی المناک ہے ؟ کس طرح حقیقت ناپید اور عمل صحیح مفقود ہوگیا ہے ؟ اس سے بڑھ کر شریعت کی عزت اور احکامِ الٰہی کی بے کسی کیا ہوگی کہ مسلمانوں نے یا تو اسے بالکل چھوڑ دیا ہے یا لباس لے لیا ہے اور صورت چھوڑ دی ہے آہ ! یہ کیسی رُلا دینے والی بدبختی اور دیوانہ بنا دینے والا ماتم ہے کہ یا تو اس کے حکموں پر عمل نہیں کرتے ۔ یا کرتے ہیں تو یوں گویا خدا سے ٹھٹھا اور تمسخر کرتے ہو ۔ جب یہ حالت جہاں تک پہنچ چکی ہو تو تنزل کا شکوہ کیوں اور تباہی ملت کی شکایت کیا۔

صوم ہے ایمان سے ایمان رخصت صوم گم
قوم ہے قرآن سے قرآن رخصت قوم گم

روزے کے روحانی تقاضے

مولانا ابوالکلام آزاد

تارکینِ صیام کے گروہ میں ایک فتنے نے سر اُٹھایا ہے جس کا اثر بہت شدید اور جس کی آفات سخت متعدی ہیں اور جس کے اندر شریعت کا استخفاف اور استہزا پہلے سے کہیں زیادہ اور حدود اللہ کے خلاف نفسانی جسارت پہلوں سے کہیں بڑھ کر ہے۔ نہایت درد و رنج کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ ان لوگوں کا فتنۂ الحاد و اباحیت ہے جنہیں افسوس ہے کہ الحاد سے بھی جہل کے سوا اور کچھ نہ ملا حالانکہ الحاد نے اکثر غرورِ علم کے ساتھ ظہور کیا ہے۔ یہ لوگ عہدِ جدید کی مہذب و متمدن مخلوق ہیں جو نئی درسگاہوں کی کائنات جہل و غرور میں پیدا ہوتی ہے اور جو فی الحقیقت غرور وادعا اور جہل و فساد کے سوا کچھ نہیں۔

ان میں سے اکثر کے نزدیک روزہ، عرب جاہلیت کے فقر و فاقہ کی ایک وحشیانہ یادگار ہے جو یا تو اس لیئے قائم کی گئی کہ غذا میسر نہیں آتی تھی یا منجملہ ان عالمگیر غلط فہمیوں کے ایک توہم پرستی تھی۔ جو اہلِ مذاہب میں ابتدا سے پھیلی ہوئی ہیں اور انہوں نے ترکِ لذائذ اور تعذیب جسم کو وسیلۂ نجات سمجھ لیا ہے۔ ان میں بہت سے لوگ اپنے الحاد کو شریعت کی نسبت سے انجام دینے کے شائق ہیں اور وہ عقل اور نقل کے درمیان تطبیق دینے کا راستہ اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر روزہ فرض ہوا بھی تھا تو قرآنی آیت "اور جو لوگ روزے کی قدرت رکھتے ہوں پھر بھی روزہ نہ رکھیں تو فدیے میں ایک

ہیں ایک مسکین کو کھانا کھلادیں" نے یہ ثابت کردیا کہ ایک مسکین کو کھانا کھلاکر ہم روزے کے پنجۂ عذاب سے نجات پا سکتے ہیں۔ بس یہ ہمارے لیئے بس کرتا ہے۔

بدنصیب روزہ دار

یہ سرگذشت ان کی تھی جنہوں نے شریعت کو چھوڑ دیا۔ لیکن آؤ اب ان کے سراغ میں نکلیں جو دامن شریعت سے وابستہ ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو پانی سے دُور ہو گئے اب آؤ ان کو دیکھیں جو دریا کے کنارے خیمہ زن ہیں۔

پھر کیا وہ سیراب ہیں ۔۔۔؟ کیا وہ پہلوں کی طرح پیاسے نہیں ۔۔۔؟

افسوس کہ حقیقت کی آنکھیں اب تک خونبار ہیں اور عشقِ مقصود کا قدم یہاں تک پہنچ کر بھی کامیاب نہیں۔ یہ سچ ہے کہ پہلوں نے دریا کی راہ چھوڑ دی اور دوسروں نے اس کے کنارے اپنا خیمہ لگایا اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ اس کا اجر انہیں ملنا چاہیے۔ لیکن اگر دریا کے لیئے بلکہ دریا کے پانی کے لیئے تھا تو پہلا گروہ پانی سے دور رہ کر پیاسا رہا! اور دوسرا اس تک پہنچکر پیاسے ہیں ؎

انہیں کشتی نہیں ملتی انہیں ساحل نہیں ملتا

یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے شریعت کے حکم تو لیئے مگر ان کی حقیقت چھوڑ دی ہے یہ وہ ہیں کہ انہوں نے چھلکے پر قناعت کی اور مغز کو ان لوگوں کے لیئے چھوڑ دیا جنہوں نے چھلکا اور مغز دونوں کو چھوڑ دیا ہے۔ یہ جسم کو انسان سمجھتے ہیں ۔۔۔؟ حالانکہ عیش نظارہ اس نے پایا جس نے نقاب کی جگہ صورت سے عشق کیا۔ کاشتکار بیج پھل کے لیئے بوتا ہے اور پھولوں کی ساری محبوبیت اس میں ہے کہ ان کی خوشبو سے دماغ معطر ہو جاتا ہے پس اگر بیج پھل نہ لایا اور پھولوں نے خوشبو نہ دی تو کاشتکار کے لیئے ہل جوتنے کی جگہ بہتر تھا کہ وہ گھر میں آرام سے سوتا اور بے خوشبو کے پھولوں سے وہ خشک ٹہنی زیادہ قیمتی ہے جو چولہے میں جلائی جا سکے۔

روزے کا مقصد

درحقیقت روزہ صرف بھوک پیاس کا نام نہیں اگر ایسا ہوتا تو ہر فقیر عابد ہوتا اور ہر فاقہ کش مومن کامل۔ حالانکہ بہت سے بے نصیب مسکین ہیں۔ جن کی فاقہ کشی انہیں وہ شے نہیں دے سکتی جو ایک خدا پرست بادشاہ لذائذ و نعم پر خوان ہائے پُر تکلف کے سامنے بیٹھ کر پا لیتا ہے۔ اصل شے روح کا تقویٰ ۔۔۔ نفس کی طہارت ۔۔۔ خواہشوں کا حبس قوتوں کا احتساب اور جذبات کا ایثار ہے اور چونکہ مخلوقات کے لیئے غذا کی خواہش سب

سے بڑی مجبور کُن خواہش ہے اِس لئے ورہی صبر — تعلیم و تحمل اور نفوذ و اتقا اور ایثارِ نفس کے لئے اسی خواہش کے ترک کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور اسے تمام روحانی فضائل کے کسب اور تمام اخلاقی رذائل سے اجتناب کا وسیلہ قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ روزے کا حکم دینے کے بعد اسکی علت ایک نہایت ہی جامع اور مانع اصطلاحِ شریعت میں واضح کر دی گئی کہ لعلکم تتقون — یہ اس لئے کہ تم تقویٰ حاصل کرو۔

تقویٰ، بچنے اور پرہیز کرنے کو کہتے ہیں۔ قرآن حکیم کی اصطلاح میں اسے مقصود تمام برائیوں اور ذلتوں سے بچنا اور پرہیز کرنا ہے — پس روزہ وہ ہے جو ہمیں پرہیزگاری کا سبق دے۔ روزہ وہ ہے جو ہمارے اندر تقویٰ اور طہارت پیدا کرے، روزہ وہ ہے جو ہماری بہیمی قوتوں اور غضبی خواہشوں کے اندر اعتدال پیدا کرے۔ روزہ وہ ہے جو ہمارے اندر نیکیوں کا جوش، صداقتوں کا عشق، راستبازی کی شیفتگی اور برائیوں سے اجتناب کی قوت پیدا کرے۔ یہی چیز روزے کا اصل مقصود ہے اور باقی سب کچھ بمنزلہ ذرائع و وسائل کے ہے۔ اگر یہ فضیلتیں ہمارے اندر پیدا نہ ہوئیں تو پھر روزہ، روزہ نہیں بلکہ محض بھوک کا عذاب اور پیاس کا دکھ ہے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ احادیثِ نبویہؐ میں روزے کی برکتوں کے لئے احتساب کی بھی شرط بھی قرار دی گئی ہے۔

"جس شخص نے رمضان کے روزے احتساب نفس کے ساتھ رکھے۔ اللہ تعالیٰ اُس کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دے گا۔"

پھر کتنے ہی جو روزہ رکھتے ہیں اور ساتھ ہی ایک سچے صائم کی طرح پاک ستھری زندگی بھی انہیں نصیب ہے —؟ آہ میں ان لوگوں کو بھی جانتا ہوں جو ایک طرف تو نمازیں پڑھتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں اور دوسری طرف لوگوں کا مال کھاتے ہیں۔ بندوں کے حقوق غضب کرتے، اعزہ و اقارب کے فرائض پامال کرتے، بندگانِ الٰہی کی غیبتیں کرتے، ان کو دکھ اور تکلیف پہنچاتے، طرح طرح کے مکر و فریب کام میں لاتے اور جبکہ ان کے جسم کا پیٹ بھوکا ہوتا ہے تو اپنے دل کے شکم کو گناہوں کی کثافت سے آسودہ اور سیر رکھتے ہیں کیا یہی وہ روزہ دار ہیں جن کی نسبت حدیث میں فرمایا گیا۔

"کتنے ہی روزہ دار ہیں جنہیں ان کے روزے سے بھوک اور پیاس کے سوا کچھ نہیں ملتا۔"

وہ راتوں کو تراویح میں قرآن سنتے ہیں صبح اُس کی منزلیں ختم کرتے ہیں لیکن اس کی نہ تو بلائیں ان کے سامعہ سے آگے جاتی ہیں اور نہ اسکی

صدائیں حلق سے نیچے اُترتی ہیں۔

" اور کتنے ہی راتوں کو ذکر و تلاوت کا قیام کرنے والے ہیں کہ انہیں اس سے شب بیداری کے سوا کچھ فائدہ نہیں۔"

نیز فرمایا:

" بہت سے قرآن تلاوت کرنے والے ایسے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت بھیجتا ہے۔"

یہ اس لئے کہ انہوں نے اپنی بدکرداریوں اور بدعملیوں سے قرآن کی تلاوت اور سماعت کو لہو و لعب بنا کر رکھا ہے۔ پھر کتنے روزہ دار ہیں جن کا روزہ برکت و رحمت ہونے کی جگہ بندگانِ الٰہی کے لئے ایک آفت و مصیبت ہے اور بہتر تھا کہ وہ روزہ نہ رکھتے دن بھر بھوکا رہ کے اور رات کو تراویح پڑھ کر وہ ایسے مغرور بدنفس ہو جاتے ہیں گویا انہوں نے خدا پر، اس کے ملائکہ پر، اور اس کے تمام بندوں پر ایک احسانِ عظیم کیا ہے۔ اور اس پر معاوضے میں انہیں کبریائی اور خود پرستی کی سند مل گئی ہے۔

اب اگر وہ انسانوں کو قتل بھی کر ڈالیں جب بھی ان سے کوئی پرسش نہیں ہوگی وہ تمام دن درندوں اور بھیڑیوں کی طرح لوگوں کو چیرتے پھاڑتے ہیں اور کہتے ہیں ہم روزہ دار ہیں۔ سو ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ زمین و آسمان کا خداوند ان کے فاقے کا محتاج نہیں۔

روزے کا مقصد نفس کا انکسار اور دل کی شکستگی

پھر اے شریر انسان! تو روٹی اور پانی کا روزہ رکھ کر خون اور گوشت کیوں کھانا چاہتا ہے۔

" آیا تم میں سے کوئی پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟" (الحدیث)

" جس نے مکر و فریب کو نہ چھوڑا اور اتقائے صیام پر عمل نہ کیا سو خدا کو کوئی حاجت نہیں کہ اسے کھانے پینے کو چھڑا دے اور اسے بھوکا رکھے۔"

قرآن کی رو سے اگر قربانی کا گوشت خدا تک نہیں پہنچتا تو اے مغرور عبادت گذار اور مردم آزار صائم! تیری بھوک اور پیاس بھی خدا تک نہیں پہنچتی بلکہ وہ چیز پہنچتی ہے جو تیرے دل اور تیری نیت میں ہے۔ اگر تجھے وہ نعمت حاصل نہیں تو تجھے معلوم ہو کہ تیری ساری ریاضت اکارت اور تیری ساری مشقت بیکار ہے۔

پس وہ لوگ جنہوں نے روزہ نہ رکھا اور خدا کا حکم توڑا اور وہ جنہوں نے رکھا پر اس کی حقیقت حاصل نہ کی ان دونوں کی مثال ان دو لڑکوں کی سی ہے ایک تو مدرسے جانے کی جگہ گھر میں پڑا رہتا ہے دوسرا مدرسے میں تو حاضر ہوتا ہے لیکن پڑھنے کی جگہ دن بھر کھیلتا ہے۔ پہلا مدرسے نہ گیا اور علم سے محروم رہا دوسرا گیا پھر بھی محروم رہا البتہ جانے والے کو نہ جانے والے پر فضیلت حاصل ہے لیکن اگر وہ مدرسے جا کر بھی لوگوں کو تکلیف پہنچاتا ہے تو بہتر تھا کہ نہ جاتا

پھر خدارا غور کرو کہ ہمارا صائم کیا شدید اور

حضرت شیخ المکرم کے دورہ گوجرہ کی رپورٹ

احمد نواز، گوجرہ

۲۵ مارچ بروز منگل حضرت قبلہ شیخ المکرم اور جناب ملک خدا بخش صاحب سرزمین گوجرہ پر جلوہ افروز ہوئے۔ چونکہ آپکی تشریف آوری کی اطلاع صرف گھنٹوں پہلے ہوئی تھی اس لیئے نہ تو آپکی آمد کا پہلے سے پروگرام طے ہوا اور نہ ہی تمام حلقہ ذکر کے ساتھیوں کو اطلاع دی جاسکی۔ بلکہ حلقہ ذکر کے ساتھیوں کی ایک تعداد اس روز گوجرہ سے باہر تھی۔ اس کے باوجود جن لوگوں کی قسمت میں انعام باری تعالیٰ تھے انہیں ان میں سے وافر حصہ نصیب ہوا۔ آپنے جو وقت سرزمین گوجرہ پر بسر فرمایا اس کا ہر ہر لمحہ اپنے اندر ایک مقصد لیئے ہوئے تھا۔ یہ لمحات ہر اپنے اور پرائے کے لیئے تھے۔ ہر واقف و ناواقف کے لیئے تھے ہم ناقدروں کی قدر دانی گھر آکر فرمائی جارہی تھی یہ عظمت صحابہ کے پاسبان نورِ نبوت کے چراغ تھامے گھر گھر روشنی پہنچانے والے کہ جن کو نہ کبھی مسافتوں کی تھکن ہی روک سکی ہے نہ کاروبار ہی کبھی آڑے آیا۔ نہ ان پر کبھی آرام و آسائش کا غلبہ ہوا بلکہ اپنے رب کریم کے نام کو لے کر گھر گھر پہنچانا انہوں نے اپنے اوپر فرض کرلیا۔ جہاں بھی گئے رب کے نام کو کچھ اس انداز سے بلند فرمایا کہ غیر اللہ کی نفی خودبخود ہوتی چلی گئی۔ صحابہ کرامؓ کی عظمت و بزرگی، یقین و ایمان کی پختگی، ان کا ایثار، ان کی ثابت قدمی اور ان کے جانثاروں کچھ اس انداز سے بیان فرمائی کہ دشمنانِ اسلام کا کفر واضح طور پر نظر آنے لگا۔

سب سے پہلے آپنے ہماری روزمرہ زندگی کا تجزیہ کچھ اس انداز سے کیا۔ آپنے فرمایا:۔

جوں جوں حضور اقدس ﷺ کا مبارک زمانہ ہم سے دور ہوتا چلا گیا۔ توں توں ہمارے دلوں میں دین کی

اہمیت گھٹتی گئی۔ حتیٰ کہ آج بڑی آسانی سے کہا جاسکتا ہے کہ مسلمان نے دین کو ثانوی حیثیت دے دی ہے۔ اور بالعموم ہم سب سے پہلے اپنی ذاتی اغراض اور خواہشات کے بارے میں سوچتے ہیں اور دوسرے درجہ میں دین کے متعلق سوچتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کا حال ہے جو اپنے آپکو دین دار کہلانا پسند کرتے ہیں اور جنہیں یہ پسند نہیں کہ کوئی انہیں دین دار کہے ان کا حال یہ ہے کہ کبھی کوئی مر گیا تو جنازہ پڑھ لیا یا کبھی عید پر کوئی رکعت پڑھ لی۔ ورنہ انہیں اس تکلف کی بھی پرواہ نہیں۔

آپ نے فرمایا ——— یہ دَور ایسا دَور ہے کہ جسمیں دین کو پہنچانے کے ہزارہا طریقے ہیں۔ جتنا اہتمام دین کو پھیلانے کا اور دین کی دعوت کا اس دَور میں ہو رہا ہے پہلے کبھی ممکن نہ تھا۔ بے شمار ذرائع ایسے ہیں جو دین کو لوگوں تک پہنچانے کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ مدرسے، رسالے، اخبار، ہفت روزے، ٹیلی ویژن، ریڈیو تک دینی پروگرام لوگوں تک پہنچا رہے ہیں۔ تبلیغی جلسے بھی ہوتے ہیں لوگ دین کو لے کر گھر گھر بھی جاتے ہیں۔ بے شمار کام ہو رہا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ نتیجہ کچھ بھی پلے نہیں پڑتا۔ انسانوں کے مزاج نہیں بدلتے، انسانوں کی سوچ نہیں بدلتی اور اب تو حالت یہ ہوگئی ہے کہ لوگ جلسے سن کر آتے ہیں۔ راستے میں تقریر کرنے والے کے شعر پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ اس کی لے کی داد دے رہے ہوتے ہیں انہیں اس بات سے غرض نہیں کہ تقریر کرنے والے نے کیا کہا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے ——؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے جو دین کی بنیاد ہے، اصل ہے اس سے توجہ کم کرلی ہے۔

حج ہی کو لے لیں کتنی عظیم عبادت ہے۔ کہ اللہ رب العزت نے ایک بار فرض فرمایا ہے اور اس پر اجر یہ کہ سابقہ گناہ معاف اور آئندہ گناہ سے نفرت ہو جائے گی۔ ایک ہم ہیں کہ دس دس حج کئے ہیں ہمارا تو کچھ نہیں بدلا جیسے تھے ویسے کے ویسے ہی ہیں۔ آخر کیوں ؟

اس لئے کہ تمام تر اعمال کا دارومدار دل کی حضوری پر ہے۔ خشوع اور خضوع پر ہے اور یہ فعل ہی دل کا ہے۔ اور دل فعل ہی تب کرے گا جب زندہ ہوگا۔ اور جب دل نام کی کوئی چیز ہی ہمارے پاس نہیں تو۔

ہماری آنکھ ہے دیکھ رہی ہے، کان ہیں سن رہے ہیں۔ لیکن ہمارا دل کیا کرتا ہے۔ کچھ نہیں کرتا تو اس کا مطلب ہے ہمارے پاس دل نہیں اگر دل ہوتا تو کچھ تو وہ بھی کرتا۔ آنکھ دیکھتی ہے وہ بھی تو کچھ دیکھتا۔ کان سنتے ہیں، وہ بھی تو کچھ سنتا۔ چونکہ دل کے دیکھنے اور سننے سے تعلق ہے

ہے تو اسی طرح ایک صحابی کہنے سے مُراد یہ ہے کہ اس شخص کا ایمان مثالی ہے۔ ایثار اور قربانی مثالی ہے، امانت دار ہونا مثالی ہے۔ اس کا خلوص مثالی ہے۔ عظمت و بزرگی مثالی ہے۔ اس کا یقین مثالی ہے بلکہ تمام اعلیٰ خصوصیات کا مثالی انسان ہے۔ صحابی صرف نام نہیں ہے بلکہ جب ہم نے یہ کہہ دیا کہ فلاں شخص صحابی ہے تو ہم نے یہ کہہ دیا کہ یہ شخص مجسمہ اخلاق کریمانہ ہے۔ تو یہ جو اعلیٰ درجہ صحابیت ہے یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اک نگاہ کے صدقے نصیب ہوا۔ ایمان لانے کے بعد جس کی نگاہ آپؐ پر پڑ گئی یا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ اس پر پڑ گئی صحابی ہو گیا۔ برکات پیغمبر کی بنیاد ہی یہ ہے کہ آپؐ کی نگاہ جس پر پڑی اس کا قلب، اس کا جسم اور جسم کا ذرہ ذرہ ذاکر ہو گیا۔ اور پھر آپ دیکھیں صحابی کی صحبت میں جو پہنچا تابعی ہو گیا۔ کثرتِ نماز، کثرتِ جہاد یا کثرتِ اعمال سے کوئی تابعی نہیں بنا بلکہ فیض صحبت سے بنا۔ اس طرح ثابت ہوا کہ دل بھی کبھی خود اللہ اللہ نہیں کرتا بلکہ کسی صاحبِ دل کے پاس بیٹھنے سے اللہ اللہ حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ کیفیات ہیں جو دلوں سے دلوں کو منتقل ہوتی ہیں۔ جن کے حصول کیلئے صحبت شرط ہے۔

آج تک جتنے زمانے گذرے ان میں سے سب سے بہتر زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ ہے۔ ذرا غور تو فرمائیں کہ جنھوں نے دُنیا کے تین حصوں پر قبضہ کیا اور بڑی سے بڑی سلطنتوں کو روند ڈالا ان کیخلاف کسی کافر کی ایک ہیٹی تک کی آواز بُلند نہ ہوئی۔ بلکہ کافر کو بھی یہ ماننا پڑا کہ یہ انسان مثالی انسان ہیں۔

پھر آپ نے ذکر کے موضوع پر بیان فرمایا:۔

آپ نے فرمایا:۔ آپ لوگ یہ پوچھتے ہیں حق بجانب ہونگے کہ آج تک کسی نے یہ نہیں کہا کہ نماز، روزہ حج، زکوٰۃ کے بعد مزید بیٹھ کر اللہ اللہ کرو۔ کیا یہ سب اللہ اللہ نہیں ہے؟ پھر مزید یہ کرنے کی ضرورت کیا ہے ——؟

میرے بھائی نماز بھی ذکرِ الٰہی ہے۔ لیکن نماز ہی ذکرِ الٰہی نہیں بلکہ جو بھی چھوٹے سے چھوٹا کام سُنت کے مطابق ہے ذکرِ الٰہی ہے۔ لیکن ذکر کی ضرورت کو پُورا نہیں کرتا۔ اس لئے آپ کے سامنے میں ایک ایسی مثال پیش کروں جس کے بعد سوچنے کی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔ نماز ایک رکن ہے ارکانِ دین میں سے لیکن ہر شخص کا ایک اپنا دلی تعلق ہے رب کے ساتھ۔ ہر شخص کا سجدہ جُداگانہ ہوتا ہے۔ اور ہر شخص کے سجدے کی قیمت ہوتی ہے تو جو تعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خدا

کیساتھ ہے وہ مثالی ہے۔ کائنات میں کوئی دوسرا آپؐ کا ہمسر نہیں۔ تو ظاہر ہے ساری کائنات سجدہ ریز ہے۔ لیکن جو سجدہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے ایسا کسی کا نہیں۔ تبلیغ ایک بہت بڑا رکن ہے اور ہر شخص پر ضروری ہے کہ جہاں تک ہوسکے تبلیغ کرے۔ لیکن جو تبلیغ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے کی اس کی مثال نہیں۔ چشم فلک نے وہ منظر بھی دیکھا کہ اس پوری مخلوق میں کوئی شخص بھی خدا سے آشنا نہیں۔ ہر جگہ مذاہب باطلہ ہیں۔ گھٹا ٹوپ اندھیرا ہے تو اس وقت ہیں خدا کا ایک بندہ ایک پہاڑی پہ کھڑا ہو کر کافروں اور مشرکوں کو دعوت دے رہا ہے۔ توہین آمیز کلمات سن رہا ہے پتھر کھا رہا ہے اور خدا خود بیان کرتا ہے کہ اے میرے محبوب ہر طلوع ہونے والا دن تیرے لیئے نئی مشقتیں اور نئے مجاہدے لیکر طلوع ہوتا ہے۔ اس کے باوجود ارشاد ہوتا ہے کہ راتوں کو اُٹھا کرو اور اپنے ربّ کے نام کی تکرار کیا کرو اور اتنا کرو کہ اللہ اللہ ہی باقی رہ جائے۔ تو

تبلیغ پر بھروسہ کر کے اپنی نماز پہ بھروسہ کر کے اپنی تلاوت اور روزوں پر بھروسہ کر کے کیسے مستثنیٰ ہو سکتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہمیں اس کی ضرورت کا احساس نہ ہو۔ ورنہ یہ ہماری بنیادی

ضرورت ہے۔ اور یہ واحد رشتہ ہے جو اللہ اور بندے کے درمیان ہے کہ بندہ اس کے نام کا ذکر کرے اور اپنے تمام اعمال پہ ذکر کو حاوی کر دے۔ تب جا کر انسان کا مزاج بدلتا ہے۔ کردار بدلتا ہے۔ نگاہ بدلتی ہے اور سوچ بدلتی ہے۔ اور اگر اس بنیاد کو فراموش کر دیا جائے تو ہمارا تو حج بھی بیکار بن جائے گا۔ آپ نہیں دیکھتے کہ ہم حج کو جاتے ہیں۔ لیکن ہمارے آنے جانے سے ہمارا کردار نہیں بدلتا۔ اگرچہ ہر جگہ نماز پڑھنے والے بہت کم ملتے ہیں لیکن جب اذان ہوتی ہے تو نماز پڑھنے والے بھی بہت ہوتے ہیں۔ مساجد بھر جاتی ہیں۔ اگرچہ حج کرنا لوگوں نے چھوڑ دیا لیکن حج کرنے والے بھی بہت ہیں۔ کوئی بھی ارکان دین لے لیں اس کے کرنے والے بھی بہت ہیں۔ لیکن اگر ہمیں یہ کہنا پڑے کہ ذاکرین بھی بہت ہیں تو کیا شمار ہونگے۔ اتنی جرأت بھی نہیں کرتے کہ ہمارے شہر میں کچھ ذکر کرنے والے بھی ہوں۔

ہر شخص کی اپنی رائے ہوتی ہے۔ میری ذاتی

اللہ کے ذکر سے غفلت کے سبب ہے۔ ہم کسی صاحب دل کو تلاش کریں جو تربیت کرے۔ انعکاسی دولت کا حاصل ہو۔ اس سے اللہ اللہ سیکھیں۔ یہ سوچنا تو دور کی بات ہے بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم تو نمازیں پڑھتے

نہیں ہمیں ذکر کی کیا ضرورت ہے۔ کیا ہم اتنے بلند چلے گئے ہیں کہ ہمیں ذکر کی ضرورت باقی نہیں رہی اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرورت باقی رہ گئی۔ جب آپ کو حکم دیا جا رہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ یہ ہماری بنیادی ضرورت ہے اور قرآن میں جگہ جگہ اس کا حکم ہو رہا ہے۔ تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا۔

پھر آپ نے اپنے مضمون کو کچھ اس انداز سے سمیٹا کہ ہر لفظ کا درد عیاں تھا۔ یہ نصیحت واضح تھی۔ آپ نے فرمایا۔ میں سلسلہ نقشبندیہ کے خدام میں سے ہوں یہ اللہ کا احسان ہے۔ میری عمر اس وقت باون سال ہو چکی ہے اور مجھے ستائیس برس ہو گئے ہیں اللہ اللہ کرتے۔ یہ خدا کا احسان ہے کہ جوانی کی راتیں اس کی یاد میں گذریں۔ اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔ یہ اس کی عطا ہے۔ اب بڑھاپے کی دہلیز پہ کھڑا ہوں تو پھر بھی بنیادی کام یہی ہے کہ اس کا نام لیا جائے خدا کرے ایسے ہی کام چلتا رہے۔ میں تو قریہ قریہ جا کر روٹی کما کر کھاتا ہوں۔ اپنا کاروبار ہے اپنی مزدوری ہے۔ لیکن کسی پر بوجھ بننا بھی پسند نہیں کرتا۔ اور اللہ کا نام بانٹتا پھرتا ہوں اور جسے جسے نصیب ہوتا ہے وہ سیکھ بھی لیتا ہے۔ نہ ہم سے کچھ لیتے ہیں اور نہ دیتے ہیں۔ اور اگر آپ حضرات چاہیں تو ہم یہاں بھی بیٹھ کر ذکر کریں گے۔ آپ بھی کریں۔ کرتے رہیں۔ اللہ کا نام ہی ہے اسمیں نقصان کیا ہے۔ خطرے کی بات نہیں ہے اور پھر آپ دیکھیں کہ جب یہ دل میں وارد ہوتا ہے تو کتنی لذتیں دل میں پیدا ہوتی ہیں۔

آپ بھی تو لذات کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ کوئی شراب پیتا ہے کوئی افیون کھاتا ہے۔ نشہ کرتا ہے۔ افسوس کہ لوگوں کو اس لذت کا پتا چلا ہی نہیں اور اگر انہیں پتہ چل جائے تو دنیا میں کوئی چیز اتنی لذیذ ہے ہی نہیں۔ جو اتنی لذت دے۔ ہر چیز کا ذائقہ زبان کی حد تک ہوتا ہے۔ کوئی بھی چیز جو حلق سے نیچے اترتی ہے تو ذائقہ ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کا ذائقہ ایسا ہوتا ہے کہ زبان تو کیا دل گوشت پوست بال بال اس کی لذت کو محسوس کرتا ہے۔

نشہ بھنگ افیم، مدھ آترجات پر بھات
نام خماری نانکا چڑھی رہے دن رات

اگر لذت ہی چاہیے تو یہ بھی یہی شے ہے اور اس کے بغیر انسان انسان نہیں ہے۔ اللہ کریم آپکو بھی اور سب لوگوں کو بھی اپنی یاد کی توفیق دے۔ آپ میری گذارشات کو وعظ نہ سمجھیں بلکہ مخلصانہ مشورہ سمجھیں اور اس پہ غور کریں۔ زندگی کا کیا پتہ کس لمحے سانس چھوڑ دے۔ واپس آکر کوئی شخص کچھ واپس نہ لے سکے گا۔ یہی وقت ہے ہمارے پاس اللہ کی یاد کا۔ اللہ پاک ہم سبکو اس کی توفیق دے

قبلہ شیخ المکرم نے سرزمین گوجرہ میں ۳۹ گھنٹے کا وقت گذارا۔ ہر شخص نے اپنے ظرف کے مطابق حصہ لیا۔ کسی نے گھریلو پریشانی کا اظہار کیا تو آپ نے دُعا فرمائی۔ کسی نے کاروباری مشورہ کیا تو آپکو دُور اندیش پایا۔ جہاں تک کاروبار کا تعلق ہے آپ نے حرام کمائی سے سختی سے منع فرمایا۔ آپ کے الفاظ ہیں کہ حرام کی گاڑی پر بیٹھنے سے پیدل چلنا ہر لحاظ سے بہتر ہے جتنا دل چاہے کام کرو لیکن رزقِ حلال کماؤ۔ حضرت شیخ نے اس قلیل وقت میں ہمیں ضروریاتِ زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے آگاہ فرمایا۔ ذکر کی اہمیت بیان فرمائی۔ عظمت صحابہؓ بیان فرمائی۔ غیر اللہ کی نفی فرمائی۔ خدا ہمیں ان کی مبارک صحبت کے یہ لمحے دوبارہ نصیب فرمائے (آمین)

حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے انہی لوگوں کے متعلق اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا ہے

بکار نیک گردو یا ورے تو
بکوئے نیک نامی یا ورے تو
چنیں یارے کہ یابی خاک اُوشو
اسیرِ حلقۂ فتراک اُوشو
(جامیؒ)

(ترجمہ) حضرت مولانا جامیؒ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آدمی کو چاہیے کہ وہ ایسے کامل کی تلاش کرے جو اسے نیک نامی کے کوچے میں لے جائے اور نیکی میں اس کی امداد کرے۔ اگر ایسا رہبر کامل کسی کو ملجائے تو پھر اس کے قدموں کی خاک بنجانا چاہیے۔ اس کے دامن دولت کو ہاتھ سے نہ چھوٹنے دے۔

اللہ رب کریم ان کاملین کے ساتھ وابستہ رکھے۔ (آمین)

اجتماع مرشد آباد

مورخہ ۱۰ و ۱۱ جولائی ۱۹۸۶ء
انشاء اللہ العزیز
منعقد ہو گا
۱۰ جولائی شام ۴ بجے دار العرفان
منارہ سے خصوصی بسیں
مرشد آباد کیلئے روانہ ہوں گی

افتتاح دارالعرفان پشاور

حافظ غلام جیلانی

ضلع میانوالی کے ایک دور افتادہ گاؤں سے حضرت جیؒ نے بھٹکی ہوئی انسانیت کو خداشناسی کا جو درس دیا اس کی بازگشت ان کی حیاتِ طیبہ میں ہی چار دانگ عالم میں سنائی دینے لگی۔ منارہ گاؤں میں سکول کی عمارت جہاں ایک زمانے سے ماہانہ اجتماع ہوا کرتا تھا۔ سلسلہ عالیہ کی روز افزوں وسعت کے سامنے دامن سمیٹنے لگی تو حضرت جیؒ نے دارالعرفان کے نام سے وسیع و عریض مرکز کی بنیاد رکھی۔ جس کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ یہ ایک عرصہ تک اجتماعات کے لیئے خود کفیل ہوگا۔ لیکن کچھ زیادہ عرصہ نہ گذرا ہے کہ سالانہ اجتماع کے موقع پر ساتھیوں کی کثیر تعداد سے اسکے کنارے چھلک اٹھتے ہیں۔ تقریباً یہی حال ہر شہر، ہر گاؤں اور ہر قریہ کا ہے۔ ابتدائی دور میں مقامی اجتماعات امیر حلقہ یا کسی اور ساتھی کے گھر منعقد ہوتے۔ لیکن کچھ ہی عرصہ بعد ساتھیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کو مدنظر رکھتے ہوئے ذکر و فکر کی مجالس مساجد میں قائم ہونے لگیں جو کہ اُن کا حق تھا۔ اللہ کے ذکر کے اجتماعات کے لیئے شایانِ شان مقام اللہ کا گھر ہی ہو سکتا ہے۔ عام مساجد میں ایک دقت البتہ محسوس کی جاتی کہ باہر سے آنے والے ساتھیوں کے لیئے دارالعرفان کی طرح رہائش کا انتظام نہ ہو سکتا تھا۔ اور اس کمی کو پورا کرنے کے لیئے ہر شہر میں اس امر کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ ذیلی دارالعرفان قائم کیئے جائیں۔ چنانچہ اس ضمن میں حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہ العالی نے گذشتہ سال اولیسیہ سوسائٹی لاہور میں ایک ذیلی مرکز کی بنیاد رکھی۔ چکوال میں بھی ایک ذیلی مرکز کے لیئے جگہ مخصوص کی جا چکی ہے

جہاں امسال رمضان المبارک سے نمازِ تراویح کا آغاز ہو چکا ہے۔ اور انشاء اللہ جلد ہی تعمیر کا کام بھی شروع ہو جائے گا۔

گذشتہ سال حضرت مولانا مدظلہ العالی جب پشاور کے دورہ پر تشریف لائے تو ایک صاحب ثروت ساتھی نے اجازت چاہی کہ اُسے یہاں ایک ذیلی دفتر دارالعرفان تعمیر کرنے کا موقع دیا جائے۔ چنانچہ رجب ۱۴۰۵ھ کو حضرت جب پشاور کا دورہ مکمل کرنے کے بعد جب کوہاٹ کے لیئے روانہ ہونے لگے تو پشاور جنرل بس سٹینڈ کے قریب جی ٹی روڈ کے ساتھ دارالعرفان کی مجوزہ جگہ پر تشریف لائے۔ یہ زمین کا ایک خالی چھوٹا سا ٹکڑا تھا اور حضرت نے اللہ کے حضور دعا کے لیئے ہاتھ اٹھائے۔ اس موقع پر جناب کرنل مطلوب صاحب، حافظ عبدالرزاق صاحب، امیر سرمد صاحب، حاجی الطاف احمد صاحب، ڈاکٹر عظمت صاحب اور دیگر ساتھی شریک دعا تھے۔ بقول ملک خدا بخش صاحب حضرت نے اس موقع پر پوری طرح متوجہ تھے اور انتہائی مسرور و شادماں تھے۔

ٹھیک ایک سال بعد زمین کے اس خالی ٹکڑے پر دارالعرفان پشاور کی ایک سادہ سی عمارت تیزی کے ساتھ تکمیل کے مراحل طے کر رہی تھی خیال تھا کہ اس رمضان المبارک میں یہاں باقاعدہ نمازِ تراویح کا آغاز ہو۔ اور اس سے قبل حضرت مولانا دامت برکاتہم پشاور تشریف لا کر یہاں اوّلین نماز کی امامت فرمائیں اور اس طرح حضرت کی امامت سے دارالعرفان کا افتتاح ہو۔ وقت انتہائی کم تھا۔ شعبان المکرم کا آخری عشرہ شروع ہونے کو تھا جبکہ حضرت بلوچستان کے دورے کیلئے روانہ ہو رہے تھے۔ آپ نے کمال مہربانی سے پشاور تشریف لانا منظور فرمایا۔ ہفتہ ۲۴ شعبان المکرم کو حضرت نے اسلام آباد ائیرپورٹ سے کوئٹہ کیلئے روانہ ہونا تھا ۲۳ شعبان المکرم کو جمعہ کی نماز حسب معمول دارالعرفان میں پڑھائی نمازِ جمعہ کے خطاب میں سورہ یوسف کی آیت وما ابریٔ نفسی کی تفسیر بیان کی۔ عام مفسرین کی طرح اس آیت کی محض ایک واقعاتی حیثیت بیان کرنے کی بجائے حقیقتِ نفس کا موضوع چھڑ گیا۔ نفس جس کا کام محض برائی پر آمادہ کرنا ہے اور یہاں انسان کی حفاظت سوائے رحمتِ الٰہی کے ممکن نہیں۔ جو اللہ کے ساتھ ایک خصوصی تعلق قائم ہونے کے بعد ہی حاصل ہو سکتی ہے اور جس کا واحد ذریعہ ذکرِ الٰہی ہے حضرت تصوف کے اس عمیق باب کی گتھیاں سلجھا رہے تھے جس پر کہنے والوں نے بہت کچھ کہا لیکن اس کی تہہ تک نہ پہنچ سکے۔ ابوظہبی سے برادرم یوسف صاحب آئے ہوئے تھے انہوں نے پوری تقریر ٹیپ کی اور ایک ساتھی کے بقول ابوظہبی کی جماعت کیلئے بہترین

تحفہ لے کر روانہ ہوئے۔ اس نوبت کے دوران منارہ، سیتھی اور گردونواح کے دیہات سے آئے ہوئے دیہاتیوں کا انہماک قابلِ دید تھا۔ ظاہر ہے تصوف کا یہ مستقل موضوع اور جس عالمانہ رنگ میں خطاب ہو رہا تھا۔ ان کی دسترس سے باہر تھا لیکن تقریر کے دوران جو فیوض برکات بٹ رہے تھے اور جو کیفیات منتقل ہو رہی تھیں ان سے یہ لوگ بھی کماحقہ مستفید ہو رہے تھے۔ یہ پیغام دلوں کے لئے تھا۔ اظہار و بیان کی پابندیوں سے آزاد۔ جس سے حضرت کی مجلس میں آنے والے عالم ہوں، یا عامی سب ہی یکساں مستفید ہوتے ہیں۔

نمازِ جمعہ کے بعد حضرت پشاور کے لئے روانہ ہوئے ملک نسیم صاحب اور بندہ ہیش قدمی کے لئے دارالعرفان پہنچے تھے۔ حافظ غلام جیلانی صاحب کو بھی پشاور کے دورہ میں حضرت کی معیت نصیب ہوئی۔ دورانِ سفر کئی ایسے معاملات پیش آئے جن کا ادراک ہر کس و ناکس کیلئے ممکن نہیں۔ حضرت جیؒ کی مجلس کا حال دیکھ کر حافظ صاحب نے عرض کی کہ وہاں تمام سلاسل کے صاحب مناصب حضرات مجتمع نظر آتے ہیں فرمایا یہ تصوف کی تاریخ کا ایک عجیب واقعہ ہے کہ تمام سلاسل کی توجہ کا ایک مرکز کی طرف تھی یہ صورت اس سے پہلے کبھی نہ تھی سید عبدالقادر جیلانیؒ کے اس قول سے کہ "میرا قدم ہر ولی کی گردن پر ہے" عام لوگوں کو محض غلط فہمی ہوئی ہے ورنہ یہ باعتبار درجات کے ہے۔

حافظ صاحب نے عرض کی ۔ مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ حضرت جیؒ کی خدمت میں جب ایک دیرینہ ساتھی جو تعلقات کے لحاظ سے انتہائی قریب تھا ایک نئے ساتھی کے ساتھ پیش ہوتا ہے۔ جو صاحب مجاز ہو تو وہاں سے اظہار شفقت میں ایک اور دس کی نسبت نظر آتی ہے فرمایا! یہ سب اس نسبت کی بنا پر ہے جو مجاز ہونے کے سبب عطا ہوتی ہے۔ پورا راستہ علم و عرفان کے بحر سے گوہر افشانی ہوتی رہی۔ راستے میں بریگیڈیئر محمد اکرم صاحب کے ہاں مغرب کی نماز کیلئے رُکے بعض مقامی ساتھیوں کو کسی طرح اطلاع ہو گئی تو وہ بھی چشم براہ تھے۔ رات دس بجے پشاور پہنچے تھے تو امیر سرحد حاجی الطاف احمد صاحب ساتھیوں کی ایک کثیر تعداد کے ساتھ جی ٹی روڈ پر منتظر تھے حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہ العالی کی گاڑی ان کے قریب رُکی تو بے قرار چہروں پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ حضرت سے فرداً فرداً مصافحہ کرتے ہوئے کافی وقت لگ گیا۔ حضرت جونہی دارالعرفان پشاور کے قریب پہنچے تو لاؤڈ سپیکر پہ عشاء کی آذان سنائی دی۔ اللہ اکبر۔ یہ پہلی اذان نماز کی خاطر بلاوا ــــ جس میں اقم الصلوۃ کا مفہوم

پنہاں تھا۔ پشاور کے علاوہ گڑھی کپورہ ، مردان ، رشکی نوشہرہ اور کوہاٹ سے بھی ساتھیوں کی ایک بڑی تعداد آئی ہوئی تھی۔ حضرت نے عشاء کی نماز کی امامت کی اور اس طرح حضرت کی امامت میں ۲۳ شعبان المکرم ۱۴۰۶ھ بروز جمعہ نماز عشاء کی ادائیگی سے دارالعرفان پشاور کا افتتاح ہوا۔ طویل سفر کی تھکاوٹ کے باوجود حضرت ممبر پر تشریف لے گئے۔

حضرت کے مختصر بیان کا لب لباب اللہ تعالیٰ کے حضور اظہار تشکر تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اس گئے گزرے دور میں یہ اللہ کی بہت بڑی عنایت ہے کہ اس نے اپنا گھر تعمیر کرنے کی توفیق دی۔ جبکہ انسان کی خواہش اور طلب کے پیمانے بدل چکے ہیں۔ مسجدیں تعمیر ہوتی رہتی ہیں اور نمازی بھی ہوتے ہیں جو انہیں آباد رکھتے ہیں۔ لیکن اس مسجد کی تعمیر اللہ کے ذکر کیلئے ہوتی ہے جو تمام عبادات کی روح ہے۔ انسان نماز بھی ادا کرتا ہے جمعہ بھی ادا کرتا ہے لیکن ان تمام اعمال کے باوجود اس کی شخصیت میں انقلاب نہیں آتا۔ کیونکہ وہ صرف عبادت کی ظاہری شکل اختیار کرتا ہے۔ جبکہ ذکر اللہ تمام عبادات کا مغز اور روح ہے۔ جس کے بغیر اعمال محض خالی اور بے جان ڈھانچہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس مسجد کی تعمیر کے پیچھے یہ مقصد کارفرما تھا کہ ظاہری اعمال کے ساتھ ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے باطنی پہلو کے احیاء کا بھی اہتمام کیا جائے۔

حضرت نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مقصد میں کامیابی عطا فرمائے۔ خطاب کے بعد صفیں استوار ہوئیں اور حضرت نے ذکر کروایا۔ دارالعرفان پشاور میں یہ پہلا ذکر تھا۔ فیوض و برکات کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا ایک سمندر تھا۔ کیفیات کی یہ شدت دیکھ کر دارالعرفان منارہ کی یاد تازہ ہو گئی۔ رات کو قیام کیلئے حضرت یونیورسٹی ٹاؤن میں حاجی الطاف احمد صاحب امیر سرحد کے ہاں تشریف لے گئے۔ باہر سے آئے ہوئے ساتھیوں کے علاوہ بعض مقامی ساتھیوں نے بھی رات دارالعرفان میں ہی بسر کی۔ صبح کے چار بجے تہجد کے نوافل ادا کرنے کے بعد ساتھی صفیں بنائے حضرت کی آمد کے منتظر تھے حضرت تشریف لائے اور خاصہ طویل ذکر ہوا۔ ذکر کے بعد نماز فجر ادا کی گئی۔ سلسلہ عالیہ میں داخل ہونے والے نئے ساتھیوں کو بیعت فرمایا اور درس قرآن دیا۔ بعد ازاں دعا کے بعد حضرت مولانا محمد اکرم صاحب دامت برکاتہم دارالعرفان پشاور کے افتتاح کیلئے یہ خصوصی دورہ مکمل ہوا۔ اور حضرت بلوچستان کے دورہ کیلئے صبح آٹھ بجے پشاور سے اسلام آباد ایئرپورٹ کیلئے روانہ ہوئے۔

حافظ عبدالقیوم

کیا ہمارا المیہ اسلامی نظام اور مغربی نظام کا تصادم ہے؟

نظام کا لفظ جہاں مطلق طور پر بولا جائے اس سے مراد نظامِ زندگی ہوتا ہے۔ زندگی کی وسعت کا اندازہ کون کر سکتا ہے، پیدا ہونے سے مرنے تک، گھر کی چار دیواری سے ایوانِ حکومت تک۔ مزدور سے حکمران تک ہر چیز ہر جگہ اور ہر فرد اس کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔

زندگی کے اجزائے ترکیبی کو دیکھا جائے تو ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔ نظریاتی، عملی، اخلاقی تمدنی، معاشی، سیاسی، عدالتی، عسکری غرض کون سا نظام ہے جو نظامِ زندگی کے اجزائے ترکیبی میں شمار نہیں ہوتا، مگر ان اجزاء میں باہمی تعلق کچھ اس قسم کا ہے جیسے بیج اور درخت کا یعنی بیج اور تنے، شاخوں، پتوں، پھولوں اور پھل میں جو تعلق ہوتا ہے وہی یہاں بھی پایا جاتا ہے۔ نظامِ زندگی کے لئے نظریہ، عقیدہ یا ایمان بیج کی حیثیت رکھتا ہے۔ زندگی کے تمام اجزائے ترکیبی اسی بیج سے اُگتے، نشوونما پاتے اور پھُولتے پھلتے ہیں۔ بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ نظریہ یا عقیدہ ہی ہر نظام کا مصدرِ حیات بھی ہوتا ہے اور مقصدِ حیات بھی، وہ ایسا مرکزی نقطہ ہوتا ہے کہ زندگی کے تمام دائرے اسی کے گرد گھومتے ہیں۔ جب ہم اسلامی نظام اور مغربی نظام پر بحث کرتے ہیں تو ہمیں اس حقیقت کو ہرگز نہیں بھُولنا چاہیے کہ ان کے اجزائے ترکیبی میں بھی یہ فطری اصُول کارفرما ہے کہ یہاں بیج بھی موجود ہے شاخیں اور پتے بھی نظر آتے ہیں۔ اس لئے اس بحث میں دونوں پہلوؤں کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ اس بحث میں کسی نتیجہ پر نہ پہنچنے یا غلط نتیجہ اخذ کرنے کی وجہ عموماً یہ ہوتی ہے کہ بیج اور

جڑوں سے صرف نظر کر کے صرف پتوں پر نظر اٹک جاتی ہے۔

موضوع کے عنوان کی جان لفظ "المیہ" ہے۔ المیہ کا اطلاق ایسے حادثے پر ہوتا ہے جو المناک تو ہو مگر غیر متوقع ہو۔ عادت کے خلاف ہو اور انسانی اختیار اور بس سے باہر ہو۔ اس حقیقت کے پیش نظر جب ہم اسلامی نظام اور مغربی نظام کے تصادم کو المیہ قرار دے رہے ہیں تو یہ بالکل بے محل بات معلوم ہوتی ہے۔ ممکن ہے اس تصادم کے نتیجہ میں جو حالات پیدا ہوتے ہیں انہیں دیکھ کر المیہ کہہ دیا گیا ہو۔ ورنہ یہ تصادم بجائے خود تو فطری ہے نہ غیر متوقع ہے نہ خلاف عادت۔ کیونکہ آم کے بیج سے آم کا درخت پھوٹے اور اس پر آم کا پھل لگے اور آک کے بیج سے آک کا پودا اگے اور اس پر آک کا پھل لگے تو یہ نہ غیر متوقع ہے نہ خلاف عادت ہے بلکہ یہ تو عین فطرت کا تقاضا ہے۔

اب آیئے اسلامی نظام اور مغربی نظام کی طرف تو سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا حق و باطل میں تصادم فطری نہیں۔ کیا کفر و اسلام میں تصادم غیر متوقع ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو اسلام اور کافرانہ نظام میں تصادم پر تعجب کیوں؟

رہی یہ بات اگر یہ تصادم المیہ نہیں تو ہمارا المیہ ہے کیا ــــ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم من حیث القوم ذہنی طور پر ابھی تک غلام ہیں۔ جسم مغرب کے تسلط سے بظاہر آزاد ہو گئے ہیں، ذہن بدستور غلام ہیں اور اس ذہنی مرعوبیت کا اثر ہے کہ ہم مغربی نظام کو ابھی تک معیاری، اعلیٰ، اور آئیڈیل نظام سمجھتے ہیں اور اس کی برتری پر ہمارا ایمان اور یقین اس درجہ کا ہے کہ سورج نصف النہار پر چمک رہا ہو تو ہم اس کا انکار کر سکتے ہیں مگر مغربی نظام کی برتری کا انکار کرنے کی غلطی نہیں کر سکتے۔ اور یہ ہماری مجبوری ہے۔ ترجمانِ حقیقت نے بالکل بجا کہا تھا ؎

دِل توڑ گئی ان کا دو صدیوں کی غلامی
دارو کوئی سوچ ان کی پریشان نظری کا

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہمارا مذاق بگڑ چکا ہے جیسے کسی کو سانپ ڈس جائے اس کے منہ میں شہد ٹپکاؤ تو وہ تھوک دے گا کہ سخت کڑوا ہے۔ اسلام نے جو نظام دیا ہم نے اس شہد کو زہر کی طرح کڑوا سمجھا، کیونکہ غلامی کے اثر ہے کے پشت ہا پشت سے ڈسے ہوتے ہیں۔

اس حقیقت کا ذرا تفصیل سے جائزہ لیجئے اسلامی نظام کی بنیاد یہ نظریہ ہے کہ خالق کائنات نے یہ ساری مشین تمہاری خدمت کے لیئے بنائی۔ اس کا موجد اور صانع وہ خود ہے اس کی بنائی ہوئی مشین کو استعمال کرنے اور اس سے کام لینے کا طریقہ سکھانا بھی اس نے اپنے ذمہ لیا۔ تمہارا کام یہ ہے کہ موجد کی ہدایات کے مطابق اس سے کام لو۔ تمہیں

رجسٹرڈ آر ایم ۔ ۱۹

ماہ جولائی ۱۹۸۶ء مطابق ماہ شوال ۱۴۰۶ ھ

تصانیف حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

تصوف

تعارف	۳/۰
دلائل السلوک خاص ایڈیشن	۶۰/۰
دلائل السلوک انگریزی ایڈیشن	۶۰/۰
اسرار الحرمین	۵/۰
علم و عرفان	۳/۵۰
عقائد و کمالات علماء دیوبند	۵/۰

حیات بعد الموت

سیف اویسیہ	۱۰/۰
حیاتِ برزخیہ	۳۰/۰
حیاتِ انبیاء	۱۵/۰
حیات النبی مذہب اہل سنت کی نظر میں	۱۰/۰

شیعیت کا تحقیقی مطالعہ

الدین الخالص	۲۵/۰
ایمان بالقرآن	۲۰/۰
تحذیر المسلمین	۲۵/۰
تفسیر اربعہ آیات	۵/۰
تحقیق حلال و حرام	۵/۰
حرمتِ ماتم	۵/۰
ایجاد مذہب شیعہ	۵/۰
شکست اعدائے حسین	۴/۰
داماد علی	۲/۵۰
بناتِ رسول	۳/۰
الجمال والکمال	۵/۰

تصانیف حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہ

اسرار التنزیل حصہ اول	۱۰/۰
اسرار التنزیل 〃 دوم	۱۰/۰
اسرار التنزیل 〃 سوم	۱۰/۰
اسرار التنزیل 〃 چہارم	۱۰/۰
چار پارے مکمل و مجلد	۵۰/۰
دیارِ حبیب میں چند روز	۵/۰
ارشاد السالکین	۵/۰
امیر معاویہ	۱۰/۰
راہی کرب و بلا	۲/۰
عصرِ حاضر کا امام	

تصانیف پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم اے اسلامیات و عربی

ذکر اللہ عربی	۲/۰
لغزشیں	۱۰/۰
اطمینانِ قلب	۱۵/۰
تصوف و تعمیر سیرت	۱۰/۰
کس لئے آئے تھے؟	۵/۰
خدایا ایں کرم بار دگر کن	۱۰/۰
بزم انجم	۲۰/۰
دین و دانش	۱۰/۰
کونوا عباد اللہ	۳/۰
انوار التنزیل	۷/۵۰
مغالطے	۵/۰

ماہنامہ المرشد چکوال

بیاد حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

زیر سرپرستی حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہ

اصلاح احوال، باطنی اصلاح

بدل اشتراک

سالانہ چندہ	۴۵/۰
ششماہی	۲۵/۰
فی پرچہ	۴/۰
مشرق وسطیٰ	۱۲۰/۰
لیبیا	۱۵۰/۰
یورپ	۱۴۰/۰
امریکہ کینیڈا	۱۶۰/۰

سول ایجنٹ

مدنی کتب خانہ
گنپت روڈ
لاہور

ملنے کا پتہ: ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دار العرفان منارہ ضلع چکوال